www.KitaboSunnat.com

حافظ محمد زبیر ☆

قرآن اور قراءاتِ قرآنیہ کے ثابت و حجت ہونے کا بنیادی ذریعہ خبر یا تواتر عملی؟

[اِصلاحی مکتبہ فکر کے افکار کا جائزہ]

پاکستان میں انکارِ قراءات اور انکارِ حدیث میں پیش پیش حلقۂ اشراق کی نمائندہ شخصیت جاوید احمد غامدی سے چند ماہ قبل حافظ حمزہ مدنی ﷾، حافظ محمد زبیر ﷾ اور حافظ طاہر الاسلام عسکری ﷾ نے 'دین کیا ہے اور دین کے ثابت ہونے کا ذریعہ کیا ہے؟' کے ضمن میں متعدد نشستوں میں تبادلہ خیال کیا۔ آخری مجالس میں بحث کا ارتکاز اس نکتہ پر رہا کہ دین کے ثابت ہونے کا بنیادی ذریعہ خبر ہے یا نام نہاد اجماع و تواتر عملی؟ حافظ محمد زبیر ﷾، جو کہ غامدی صاحب کے پیدا کردہ متنوع مغالطوں پر عرصہ دو تین سال سے مسلسل لکھ رہے ہیں، نے ان نشستوں میں پیش کردہ خیالات کو قارئین رشد کیلئے قلم بند کر دیا ہے، تاکہ زیر بحث موضوع پر دیگر شوق رکھنے والے حضرات بھی اس علمی مکالمہ سے مستفید ہوسکیں۔ حافظ صاحب ﷾ کا مقالہ اگرچہ قرآن، سنت اور اجماع تینوں کے ثابت ہونے کے ذریعے کے بارے میں ہے، لیکن ہم رشد 'قراءات نمبر' کے موضوع کے پیش نظر مقالہ کے صرف ابتدائی حصہ کو قارئین کے لیے پیش کر رہے ہیں، جس کی تہذیب و نظر ثانی بھی موصوف نے خود کر دی ہے۔ اس تعاون پر ہم ان کے شکر گزار ہے۔ [اِدارہ]

دین و دنیا میں عام طور پر کسی بھی علم کے حصول کے لیے معتبر بنیادی ذرائع صرف دو ہی ہیں۔ ایک براہِ راست مشاہدہ و حواس سے حاصل شدہ علم اور دوسرا خبر ہے، مثلاً بازار میں جاتے ہوئے آپ نے دیکھا کہ ایک شخص کو سرِ عام ڈاکوؤں نے قتل کر دیا ہے، اب آپ کو اس شخص کے قتل کا علم براہِ راست مشاہدے سے ہوا یا یہ بھی ممکن ہے کہ آپ جائے وقوعہ پر موجود نہ ہوں اور آپ کو اس شخص کے قتل کی خبر مل جائے۔ یہ خبر بعض اَوقات ایک شخص کے ذریعے پہنچتی ہے اور بعض اَوقات دو، تین، چار یا ایک بہت بڑی تعداد کے ذریعے۔ مخبرین کی تعداد چاہے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، دنیا اس کو خبر ہی کہتی ہے۔

اَنبیاء پر نازل کی جانے والی وحی بھی اللہ ہی کی طرف سے ایک خبر ہوتی ہے۔ بعض اَوقات یہ وحی خواب کی صورت میں بھی ہوتی ہے۔ کسی نبی کا خواب بھی مشاہدہ و خبر ہی کی ایک ملی جلی قسم ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ صحابہ کے ساتھ عمرہ کر رہے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو خواب میں ذبح کرتے دیکھا۔ اسی طرح بعض اوقات ایک عام شخص کو بھی بذریعہ خواب کسی بات کا علم ہو جاتا ہے، لیکن ایک نبی اور عامی کے خواب میں

☆ فاضل جامعة لاهور الإسلامية، فاضل قراءات سبعة وعشرة

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصل فرق یہ ہے کہ نبی کا خواب دوسروں کے حق میں بھی وحی و حجت کا درجہ رکھتا ہے جبکہ ایک عام آدمی کا خواب خود اس کے لیے تو کسی اہمیت کا حامل ہوسکتا ہے لیکن دین میں کسی دوسرے شخص کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں بن سکتا۔

انبیاء کے لیے علم کے حصول کی ایک خاص شکل الہام بھی ہے یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی نبی کے دل میں کوئی بات ڈال دیں۔انبیاء کا یہ علم وحی کی حیثیت سے ایک شرعی دلیل ہے۔ عام افراد کے لیے اسی عمل کو اصطلاحاً وجدان یا الہام ہی کہتے ہیں۔ دین اسلام میں وجدان یا ایک عامی کا الہام اُمت کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، اگرچہ صوفیاء کے ایک قلیل طبقے نے اس کو ایک مستند ذریعہ علم قرار دیا ہے۔اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ سبحانہ وتعالیٰ یا اللہ کے نبی ﷺ نے یہ بات الہام کی ہے تو اس بات کو معلوم کرنا کہ واقعتاً اس شخص کو وہ بات اللہ یا اس کے رسول ﷺ ہی کی طرف سے الہام کی گئی ہے، ایک ناممکن امر ہے اور اس کا کوئی معیار بھی اس دنیا میں موجود نہیں ہے کہ جس پر اس کو پرکھا جا سکے کہ یہ بات اللہ ہی کی طرف سے الہام ہے یا شیطانی وساوس ہیں۔اسی لیے کسی بھی بڑے سے بڑے عالم دین یا بزرگ وصوفی کا وجدان اُمتِ مسلمہ کے حق میں کسی شرعی دلیل کے مترادف نہیں ہے۔

ہاں یہ بات درست ہے کہ خود اس کے لیے وہ الہام ظن وتخمین یا علم ویقین کا کوئی درجہ رکھتا ہو۔ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ اللہ کے نیک بندوں خصوصاً علماء، متقین اور صلحاء کو الہام ہوتا ہے۔ ہم یہاں پر بحث یہ کر رہے ہیں کہ کسی اُمتی کا ایسا الہام کوئی شرعی دلیل ہے یا نہیں؟ جیسا کہ بعض لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خواب میں آکر انہیں یہ حکم دیا ہے کہ تم الیکشن میں حصہ لو اور کامیابی تمہارا مقدر ہوگی وغیرہ۔

دنیاوی علوم کے حصول کا ایک اور ذریعہ عقل بھی ہے۔فلسفے میں اس ذریعہ علم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔دین میں عقل، احکام الٰہی کو حاصل کرنے کا ذریعہ تو نہیں ہے، لیکن ان کو سمجھنے میں اس کی حیثیت مسلم ہے۔معتزلہ کے نزدیک عقل سے اللہ کا حکم معلوم ہوسکتا ہے جبکہ غامدی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ قرآن میں مذکور 'معروف ومنکر' اور 'طیبات وخبائث' کا تعین فطرت انسانی سے ہوگا۔اہل سنت ماتریدیہ (یعنی احناف) اشاعرہ (یعنی مالکیہ وشوافع) اور سلفیہ (یعنی حنابلہ واہل الحدیث) کے نزدیک دین اسلام کا کوئی بھی حکم نہ تو عقل سے ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی فطرت سے۔فطرت سے دینِ اسلام کا کوئی بھی حکم ثابت نہیں ہوتا۔

ہمارا موضوع اس وقت دین اسلام ہے۔اس دنیا میں دین اسلام کے تنہا ماخذ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔اللہ کا دین قرآن کی صورت میں ہو یا قرآن کے علاوہ، وہ ہمیں محمد ﷺ کے بتانے سے ہی ملا ہے۔جب تک آپ 'کتاب اللہ' کو قرآن قرار نہ دیں تو اس وقت تک وہ قرآن نہیں بنتا، یعنی قرآن بھی آپؐ کے بتانے سے ہی قرآن بنا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جان لو! جب ہم غور سے جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تمام اَحکام کی اصل ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے.....مگر جب ہم اپنے حق میں کسی حکم کے ظاہر ہونے کی صورت پر غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ کا کوئی بھی حکم ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کے قول کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا ہے، کیونکہ ہم اللہ کا کلام نہ تو براہ راست اللہ تعالیٰ سے سنتے ہیں اور نہ ہی حضرت جبریلؑ سے۔پس اللہ کی کتاب بھی آپؐ کے قول سے ہی ہمیں معلوم ہوتی ہے۔''

[المستصفی:۱/۸۰]

آپ ﷺ کے زمانے میں یہ دین، قرآن وسنت کی صورت میں موجود تھا اور آپؐ اس دین یعنی دین اسلام کو اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَقوال، افعال اور تقریرات کے ذریعے صحابہؓ تک پہنچا رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے ہم تک دین (قرآن و سنت) کا علم کیسے منتقل ہوا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ دوسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ کیا ہمارا دین اس بارے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے قرآن وسنت کی صورت میں جو دین حاصل کیا ہے وہ قیامت تک آنے والے آپؐ کے ہر ہر اُمتی تک کن ذرائع سے پہنچے گا؟ تیسرا تحقیق طلب سوال یہ ہے کہ دین نے ایسے کون سے ذرائع بیان کیے ہیں کہ جن ذرائع سے دین اسلام (یعنی قرآن وسنت) آپؐ کی طرف سے کسی امتی تک پہنچ جائے تو اس اُمتی کے لیے اس ذریعے کی صورت میں ملنے والے دین (قرآن وسنت) کو دین اسلام سمجھ کر قبول کرنا واجب ہے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ آج ہمارے سامنے نہیں ہیں لہٰذا ہم آپؐ کے اَقوال واَفعال کے براہِ راست مشاہدے سے اس دین کا علم حاصل نہیں کر سکتے جو آپ ﷺ پر قرآن وسنت کی صورت میں نازل ہوا ہے یا جسے آپؐ کے اجتہاد کی صورت میں اللہ کی تصویب وتائید حاصل ہوئی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص محض اپنی عقل سے غور وفکر کرتے ہوئے اس دین کو معلوم کر لے کہ جو آپؐ پر نازل ہوا تھا تو یہ بھی ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ دین جو آج سے چودہ سو سال پہلے محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ میں اپنے وجدان سے معلوم کر لوں تو دینِ اسلام کے علم کے حصول کی یہ صورت بھی قابل عمل نہیں ہے، کیونکہ اس کا کوئی معیار نہیں ہے کہ جس کو وہ اپنے دل میں محسوس کر رہا ہے وہ واقعتاً وہی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوا تھا یا وہ شیطانی وساوس ہیں۔ پس دین کے علم کے حصول کا ایک ہی ذریعہ ہمارے پاس باقی رہ جاتا ہے اور وہ 'خبر وروایت' ہے۔ اب یہ 'خبر وروایت' قطعی بھی ہو سکتی ہے اور ظنی بھی۔

دوسرے اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ بات دین (قرآن وسنت) کا بنیادی موضوع ہے کہ دین (قرآن وسنت) آپ ﷺ سے قیامت تک آنے والے ہر ہر اُمتی تک کیسے پہنچے گا اور دین (قرآن وسنت) نے اس کو بیان بھی کیا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ''دین اسلام (قرآن وسنت) کے منتقل ہونے کے ذرائع کیا ہیں؟ یہ ایک عقلی یا تاریخی بحث ہے''، عقل وشرع دونوں کے خلاف ہے۔ جس طرح کسی چیز کا دین (قرآن وسنت) ہونا یا نہ ہونا ایک اہم بحث ہے، اتنی ہی اہمیت کی حامل یہ بات بھی ہے کہ وہ دین ہم تک کیسے پہنچے گا۔ دین ہو یا دین (قرآن و سنت) کے ہر ہر اُمتی تک پہنچنے کا ذریعہ ہو، دونوں کی اہمیت عقلی اعتبار سے برابر ہے۔ جنابِ غامدی لکھتے ہیں:

> ''دین اس دنیا میں اللہ پروردگار عالم کی ہدایت ہے جو اس نے اپنے پیغمبروں کی وساطت سے انسانوں کو دی ہے۔ اس سلسلہ کے آخری پیغمبر محمد ﷺ ہیں۔ چنانچہ دین کا تنہا ماخذ اس زمین پر اب محمد ﷺ ہی کی ذات والا صفات ہے۔ یہ صرف انہی کی ہستی ہے کہ جس سے قیامت تک بنی آدم کو ان کے پروردگار کی ہدایت میسر ہو سکتی اور یہ صرف انہی کا مقام ہے کہ اپنے قول وفعل اور تقریر وتصویب سے وہ جس چیز کو دین قرار دیں، وہی اب رہتی دنیا تک دین حق قرار پائے۔'' [میزان: ص۹]

دین (قرآن وسنت) کیا ہے؟ اس اعتبار سے غامدی صاحب کا یہ قول صد فی صد درست ہے کہ دین (قرآن وسنت) صرف وہی ہے کہ جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے قول، فعل اور تقریر وتصویب سے دین قرار دیا ہے، لیکن اگر ہم غور کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا عبارت کی اہمیت اس وقت بالکل ختم ہو جاتی ہے جب ہم اس دین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(قرآن وسنت) کے پہنچنے کے ذرائع کو ایک عقلی و تاریخی بحث بنا دیتے ہیں۔ کیونکہ ہم جس زمانے میں رہ رہے ہیں اس کے اعتبار سے، اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں کیا چیز دین (قرآن وسنت) تھی؟ سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ وہ دین (قرآن وسنت) ہمیں کس طرح ملا ہے یا دوسرے الفاظ میں وہ دین (قرآن وسنت) آج کہاں ہے؟ کیونکہ ایک چیز کو اُصولی طور پر دین (قرآن وسنت) مان لینے سے اس وقت تک فرق نہیں پڑتا جب تک ہم دین (قرآن وسنت) کے ذرائع کی بحث بھی دین (قرآن وسنت) کی روشنی میں ہی نہ کرلیں۔

جب تک سوال صحیح نہ ہو تو اس کا جواب بھی درست نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے اس دنیا میں اللہ کے رسول ﷺ کی ذات ہی دین اسلام (قرآن وسنت) کا تنہا ماخذ ہے، لیکن یہ اس سوال کا جواب ہے کہ دین اسلام (قرآن وسنت) کے مآخذ کیا ہیں؟ ہمارے خیال میں اصل سوال یہ ہے کہ آج، جس زمانے میں، میں زندگی گزار رہا ہوں، میرے لیے دین اسلام (قرآن وسنت) کے مآخذ کیا ہیں؟ یعنی جو دین (قرآن وسنت) اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی ملا ہے آج مجھے وہ کہاں ملے گا؟ آج میں اسے کہاں تلاش کروں؟ کیا اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر نازل کردہ دین (قرآن وسنت) کی حفاظت اس طرح سے کی ہے کہ آج بھی مجھے وہ دین (قرآن وسنت) اسی طرح مل جائے جس صورت میں وہ آپؐ پر نازل ہوا تھا یا اللہ تعالیٰ کا یہ فضل صرف صحابہؓ کی جماعت ہی کے لیے تھا۔ میرے سامنے آج اللہ کے رسول ﷺ نہیں ہیں کہ میں ان کے اقوال، افعال اور تقریرات کا براہِ راست مشاہدہ کر کے دین (قرآن وسنت) آپ کی ذات سے اخذ کرسکوں۔ آپؐ کی حیات میں آپؐ صحابہ کرامؓ کے لیے حقیقتاً دین (قرآن وسنت) کا تنہا ماخذ تھے۔ اس لیے یہ کہنا کہ دین (قرآن وسنت) کا تنہا ماخذ اللہ کے رسول ﷺ ہیں نظری و اُصولی طور پر بالکل صد فی صد درست بات ہے، لیکن صرف یہ کہنا آج کے مسلمان کا مسئلہ اس لیے حل نہیں کرتا کہ اس کے سامنے آپؐ کی ذات موجود نہیں ہے۔

آپؐ نے قرآن اور اپنے اقوال، افعال اور تقریرات کے ذریعے جو دین اس اُمت کو دیا ہے وہ آج کہاں ہے؟ اس سوال کا جواب جب ہم اصول فقہ کی کتابوں میں تلاش کرتے ہیں تو مآخذ شریعت کے عنوان کے تحت مذکور بحث کے مطالعے سے ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل سنت کا جواب کیا ہے۔ پس یہ کہنا کہ دین (قرآن وسنت) کے ذرائع کی بحث عقل یا تاریخ کا مسئلہ ہے' ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص یہ دعوی کرے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے تو دین (قرآن وسنت) کے مآخذ واضح تھے یعنی آپؐ کے اقوال، افعال و تقریرات، جبکہ قیامت تک کے انسانوں کے لیے دین کے مآخذ کیا ہیں؟ یہ عقل و تاریخ سے طے ہوگا۔

عقل و تاریخ تو یہ بتلاتی ہے کہ صحابہؓ کے لیے خبر واحد مستقل بالذات ماخذ دین تھی، کیونکہ صحابہؓ دو صورتوں میں اللہ کے رسول ﷺ سے دین حاصل کر رہے تھے یا تو براہ راست آپؐ کی مجلس میں موجود ہوتے تھے یا کسی دوسرے صحابیؓ سے اس کی خبر پاتے تھے۔ پہلی صورت میں بھی آپؐ کی خبر ان کے لیے خبر واحد تھی جبکہ دوسری صورت بھی عموماً خبر واحد ہی کی ہوتی تھی جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپؐ کے ارشادات و افعال اور موقع بموقع نازل ہونے والی قرآنی آیات کی خبر اپنی بیویوں کو جا کر دیتے تھے تو یہ خبر واحد ہی تھی۔ اس خبر واحد سے قرآن بھی ثابت ہو رہا تھا اور حلال و حرام، عبادات بھی اور معاملات بھی۔ آداب بھی اور حدود و تعزیرات بھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس عقل وتاریخ کو کیا ہو گیا ہے کہ آج ہمیں یہ کہتی ہے کہ ہمارے لیے خبر واحد مستقل بالذات ماخذ دین نہیں ہے بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع اور پھر اس اجماعِ صحابہؓ کی ہر دَور میں اِجماع ہی کے ذریعے سے حکایت و روایت ہی مستقل بالذات دین کی روایت کا بنیادی ذریعہ ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب تک صحابہ رضی اللہ عنہم کا کسی بات پر اجماع نہیں ہوا تھا اور کسی ایک صحابیؓ نے کسی دوسرے صحابیؓ سے مثلاً تحویل قبلہ سے متعلق قرآن کی نئی نئی نازل شدہ آیات سنی تو اس صحابیؓ کے لیے وہ خبر واحد مستقل بالذات ماخذ دین تھی یا نہیں؟ اور اس خبر واحد سے قرآن اور تحویل قبلہ جیسا حکم ثابت ہو جاتا تھا یا نہیں؟ اگر تو جواب اثبات میں ہے۔ اور یقیناً ہے تو آج اس خبر واحد سے قرآن یا تحویل قبلہ جیسے اَحکامات کے اثبات میں کیا رکاوٹ ہے؟ کیا صحابہؓ کے دور میں جس قسم کی خبر واحد سے مستقل بالذات دین ثابت ہو جاتا تھا۔

امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور امام بخاری رحمہم اللہ وغیرہ کے زمانے میں اس خبر واحد سے دین ثابت نہیں ہوتا تھا؟ کیا ذریعہ، دین پر حکم ہے کہ وہ دین کو مستقل بالذات یا غیر مستقل بالذات بنا دیتا ہے۔ کیا جس چیز پر صحابہ، کا اجماع نہ ہو اس کو ہم مستقل بالذات دین شمار نہیں کریں گے؟ احادیث، سیرت وتاریخ کی کتب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن کے واقعہ سے پہلے قرآن کی قراءات کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت اختلافات تھے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی قراءت کا انکار بھی کرتے تھے اور سرحدی علاقوں میں ایسے جھگڑے بہت بڑھ گئے تھے۔

یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جو کہ قرآن کی ایک قراءت پر متفق نہیں تھے تو کیا قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس دور میں ثابت نہیں تھا یا وہ مستقل بالذات ماخذ نہیں مانا جاتا تھا۔ یقیناً ایسا نہیں تھا۔ آج بھی تمام اُمت قرآن کریم کی کسی ایک روایت پر متفق نہیں ہے، بلکہ کہیں 'روایتِ حفص' ہے تو کہیں 'روایتِ ورش' اور بعض مما لک میں 'روایتِ قالون' رائج ہے تو بعض علاقوں میں 'روایتِ دوری' پڑھی جاتی ہے، اس کے باوجود قرآن ثابت ہے اور مستقل بالذات ماخذ دین ہے۔ مستقل بالذات دین کے ثبوت کے جو طریقے خود دین نے بیان کیے ہیں وہ 'اجماع' نہیں ہے، بلکہ 'خبر' ہے۔ اگر اس خبر پر اجماع بھی حاصل ہو جائے تو یہ ایک اضافی فائدہ ہے۔ یہی ہمارے اس مضمون کا بنیادی موضوع ہے۔

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''یہی قانون وحکمت وہ دین حق ہے جسے 'اسلام' سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے ماخذ کی تفصیل ہم اس طرح کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دین آپ کے صحابہ کے اجماع اور قولی وعملی تواتر سے منتقل ہوا اور دو صورتوں میں اس اُمت کو ملا ہے: ① قرآن مجید ② سنت [میزان: ص ۹]

غامدی صاحب جس کو ذریعہ قرار دے رہے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ ایک ذریعہ ہونے کے علاوہ آج کے دور میں ہمارے لیے مآخذ دین بھی ہیں۔ دین نے صحابہؓ کے لیے بھی اور قیامت تک آنے والے اُمتیوں کے لیے مآخذ دین (یعنی دین کو اَخذ کرنے کی جگہوں) کو بیان کر دیا ہے۔ قرآن اور سنت دونوں میں یہ بات صراحت سے بیان ہوئی ہے کہ دین کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمت تک منتقل ہونے کا اصل ذریعہ خبر ہے اور بذریعہ خبر اگر دین اسلام کی کوئی بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے کسی اُمتی کو پہنچ جائے تو اس کے لیے اس بات کو دین کی حیثیت سے قبول کرنا واجب ہے، چاہے وہ خبر قطعی ہو یا ظنی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دین (قرآن وسنت) کی روایت کا بنیادی ذریعہ؛ قرآن کی روشنی میں

قرآن مجید نے صریحاً اور اشارتاً دین کی روایت و ذریعہ کو ایک موضوع کے طور پر بیان کیا ہے۔قرآن مجید میں اس کے درج ذیل دلائل ہیں:

پہلی دلیل: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ [الأحقاف:۴]

''تم (اپنے موقف کے حق میں) کوئی کتاب اس (قرآن) سے پہلے کی یا (سابقہ انبیاء) کی بچی کھچی منقول علمی روایت لے آؤ۔''

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''اثارۃ' اس روایت کو کہتے ہیں جو سلف سے منقول ہوتی چلی آ رہی ہو۔الأثارة البقية من العلم توثروهم على اثارة من العلم أي بقية منه ياثرونها من الأولين (اقرب الموارد)۔اس کے ساتھ 'من علم' کی قید اس حقیقت کے اظہار کے لیے ہے کہ اس روایت کی بنیاد محض وہم وگمان پر نہیں بلکہ علم پر ہو۔اگر تم مدعی ہو کہ خدا نے تمہارے معبودوں کو اپنی خدائی میں شریک بنایا ہے تو اپنے اس دعوے کی سچائی ثابت کرنے کے لیے یا تو اس قرآن سے پہلے کی کوئی کتاب پیش کرو یا کوئی ایسی روایت جس کی بنیاد وہم وگمان پر نہیں بلکہ علم پر ہو۔مطلب یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک ہے یا نہیں؟ اس باب میں اصلی گواہی خود خدا ہی کی ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنا شریک کسی کو بنایا ہے یا نہیں اور بنایا ہے تو کس کو؟ خدا کی گواہی کو جاننے کا واحد ذریعہ اس کی نازل کردہ کتابیں ہیں یا وہ روایات و آثار جو اس کے نبیوں اور رسولوں سے صحیح طور پر سلف سے خلف کو منتقل ہوئے۔فرمایا کہ اس طرح کی کوئی چیز ہو تو اس کو پیش کرو' محض وہم کی بنیاد پر ایک ہوائی قلعہ تعمیر کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کرو۔یہاں یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ علم یا تو اس کی کتابوں کے ذریعہ سے خلق کو منتقل ہوا ہے مثلاً تورات وانجیل وغیرہ کے ذریعے سے یا روایات و آثار کے ذریعے سے' مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاء کی تعلیمات بعد والوں کو روایات ہی کے ذریعے پہنچیں۔''

[تدبر القرآن، تفسیر سورۃ الاحقاف:۴]

طوالت کے خوف سے ہم اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں باقی مفسرین کی آراء نقل نہیں کر رہے ہیں۔اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دین کے پہنچنے کا ذریعہ بھی دین ہی کا موضوع ہے اور قرآن نے اس کو بیان کیا ہے۔ قرآن کی اس آیت کے مطابق اللہ کی کتاب اور رسولوں کی طرف منسوب اخبار، چاہے عقائد کی صورت میں ہو یا اعمال وعبادات کی شکل میں، دین اسلام کا ماخذ ہیں۔یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عقیدہ بھی خبر ہی سے ثابت ہوتا ہے، چاہے وہ متواتر ہو یا خبر آحاد۔

دوسری دلیل: ایک اور جگہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ [التوبة:۱۲۲]

''پس کیوں نہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت نکلی تاکہ وہ دین کا گہرا فہم حاصل کریں اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جبکہ وہ ان کی طرف لوٹ کر جائیں شاید کہ وہ (یعنی قوم والے اس طرح) ڈر جائیں''۔

اس آیت مبارکہ میں 'طائفۃ' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کہ عربی زبان میں ایک قلیل جماعت کے لیے استعمال ہوتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے چاہے وہ 'فردِ واحد' ہی کیوں نہ ہو۔امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں یہ کہتا ہوں کہ بہترین نص جس سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ طائفۃ کا لفظ ایک کے لیے بھی بولا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اگر اہل ایمان میں دو افراد آپس میں لڑ پڑیں'' کیونکہ آگے فرمایا: ''اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کروا دیا کرو'' پس 'اَخَوَیْکُمْ' میں تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا ہے''۔[تفسیر قرطبی:سورۃ التوبۃ:۱۲۲]

اگر اس کو جمع کے معنی میں بھی استعمال کریں تو پھر بھی تین سے جمع شروع ہو جاتی ہے اور تین راویوں کی روایت کو بھی محدثین کی اصطلاح میں 'خبر واحد' ہی کہتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ 'فرقۃ' میں کم از کم تین افراد ہوں گے۔اور 'فرقۃ' میں سے جب 'طائفۃ' نکلے گا تو ایک یا دو نکلیں گے۔ابن عادل الحنبلی لکھتے ہیں:

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خبر واحد حجت ہے۔تین افراد مل کر فرقہ بنے۔اور اللہ نے یہ واجب کیا ہے کہ ہر فرقہ سے ایک طائفہ نکلے۔پس تین میں سے نکلنے والے دو ہوں گے یا ایک' پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی خبر پر عمل کو ﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ﴾ کے ذریعے واجب قرار دیا ہے کیونکہ اس سے مراد ان لوگوں کی خبر ہے۔اسی طرح ﴿لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ کے ذریعے ان کی قوم پر یہ واجب قرار دیا ہے کہ وہ ان کی خبر پر عمل کریں۔یہ آیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایک یا دو افراد کی خبر شریعت اسلامیہ میں حجت قرار پائے''۔[اللباب فی علوم الکتاب:سورۃ التوبۃ:۱۲۲]

اس آیت مبارکہ میں اللہ کے رسول ﷺ سے دین اسلام کو حاصل کرنے اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو بتلانے کے لیے خبر واحد کو حجت مانا گیا ہے۔احادیث' سیرت اور آثار صحابہؓ کی کتابوں میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض قبائل سے ایک فرد اور بعض سے ایک سے زائد افراد اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے' دین اسلام کے احکامات سیکھتے اور واپس جا کر اپنی قوم کو اس کی تعلیم دیتے تھے۔

تیسری دلیل: اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ [الحجرات:۶]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو (اس خبر کی)۔''

اس آیت مبارکہ میں دین و دنیا سے متعلق کسی بھی خبر واحد کو قبول کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر اس خبر کا راوی کوئی فاسق شخص ہو تو اس خبر اور اس کے راوی دونوں کی تحقیق کر لیا کرو۔الحمد للہ! محدثین نے آپ ﷺ کی طرف منسوب اَخبار میں راویان اَحادیث کی چھان پھٹک کے ساتھ ساتھ متون کی بھی تحقیق کی ہے۔محدثین کے بارے میں بعض ناواقف حضرات کا یہ خیال غلط ہے کہ ان کے نزدیک کسی حدیث کے صحیح ہونے کا دارومدار صرف اس کی سند کی صحت پر ہے اور وہ حدیث کے قبول و رد میں متن حدیث کی جانچ پڑتال نہیں کرتے اور متن کی تحقیق کے اُصول فقہاء نے وضع کیے ہیں۔محدثین کے ہاں حدیث سند و متن دونوں کے مجموعے کا نام ہے، چنانچہ ان کے اصولِ حدیث بھی سند و متن دونوں کی تحقیق سے متعلق ہیں اور یہ بات مصطلح الحدیث کی قدیم و جدید تمام کتب کی ابتداء میں فن کی تعریف، موضوع اور فائدہ وثمرہ کے عنوان کے تحت موجود ہے۔اس موضوع پر ہمارے استاد ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی حفظہ اللہ نے اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور میں پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ رقم فرمایا ہے، جس میں درایتِ حدیث کے اعتبار سے محدثین کی خدمات کا تفصیلی و تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔یہ مقالہ اِن شاء اللہ کچھ ہی عرصے بعد شائع بھی ہو جائے گا۔اس آیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر خبر کا راوی فاسق نہ ہو یعنی عادل ہو تو پھر خبر کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود محدثین نے ہر اعتبار سے خبر کی تحقیق کی ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے بیان میں خبر واحد کی حجیت کے بارے میں عمدہ بحث کی ہے۔

چوتھی دلیل: بعض جگہ قرآن میں اشارتاً بھی اس بات کا تذکرہ آیا ہے کہ خبر واحد کی صورت میں دی گئی خبر کو قبول کیا جائے گا۔ ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ قَالَ سَنَنظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ اذْهَب بِّكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ﴾ [النمل:۲۰ تا ۲۸]

''حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا: کیا ہو گیا ہے مجھے، میں ہدہد کو دیکھ نہیں پا رہا ہوں یا وہ غائب ہے۔ میں اس کو لازماً شدید عذاب دوں گا یا اسے ذبح ہی کر دوں گا یا وہ میرے پاس کوئی واضح دلیل (عذر) لے کر آئے۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے زیادہ دیر نہیں گزاری (کہ ہدہد آ گیا) پس ہدہد نے کہا: میں نے اس چیز کا احاطہ کیا ہے جس کا آپ احاطہ نہیں کر سکے اور میں آپ کے پاس قوم سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا ہے وہ ان پر حکمرانی کرتی ہے اور اسے ہر چیز دی گئی ہے اور اس کے پاس ایک بہت بڑا تخت ہے۔ میں اس عورت اور اس کی قوم کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو مزین کر دیا ہے پس اس نے انہیں سیدھے رستے سے روک دیا ہے۔ پس وہ اس بات کی طرف رہنمائی نہیں پا سکے کہ وہ اس اللہ کو سجدہ کریں جو زمین یا آسمانوں میں چھپی ہوئی ہر چیز کو نکالتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو۔ اللہ، اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے اور وہ عرش عظیم کا رب ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: ہم عنقریب دیکھیں گے کہ تم نے سچ بولا یا تم جھوٹوں میں سے ہو۔ تو میرا یہ خط لے جا اور ان کی طرف ڈال دے پھر ان سے منہ موڑ لے پس دیکھ کیا وہ لوٹاتے ہیں۔''

ہدہد کے قول ﴿فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ﴾ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو خبر دی تھی وہ ان کے علم میں نہ تھی اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہدہد کی خبر قوم سبا کے عقیدے کے بارے میں تھی۔ حضرت سلیمانؑ نے اسے یہ نہیں کہا کہ خبر واحد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ جو بات کی، وہ یہ تھی کہ ہم تمہاری خبر کی تحقیق کریں گے۔ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہدہد کی یہ خبر 'خبر الواحد المحتف بالقرائن' کے قبیل سے تھی کہ جن سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے اور قرآن نے ﴿وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ﴾ میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس قسم کی خبر واحد سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔ یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ علم یقین صرف خبر متواتر سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ کے تعاقب میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک امام نووی رحمہ اللہ کے اس دعوے کا تعلق ہے کہ تواتر کے بغیر خبر سے علم یقین حاصل نہیں ہوتا، تو یہ دعویٰ چند وجوہات سے ناقص دعویٰ ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ایسی خبر واحد کہ جس کا قرائن نے احاطہ کیا ہو، علم نظری کا فائدہ دیتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جیسا کہ امام الحرمین امام غزالی رحمہ اللہ، علامہ آمدی رحمہ اللہ اور ابن الحاجب رحمہ اللہ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ ایسی خبر مستفیض جو کہ کئی طرق سے مروی ہو اور اس میں کسی قسم کا طعن نہ ہو، علم حدیث کے ماہرین کو علم نظری کا فائدہ دیتی ہے۔اس بات کو الاستاذ ابو اسحاق اسفرائینی رحمہ اللہ الاستاذ ابو منصور التمیمی رحمہ اللہ اور الاستاذ ابو بکر بن فورک رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔تیسری بات یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ ایسی خبر واحد کہ جس کو امت میں 'تلقی بالقبول' حاصل ہو، قطعاً صحیح ہوتی ہے اور کسی خبر کے صحیح ہونے پر اُمت کے اجماع سے جو علم یقین حاصل ہوتا ہے وہ روایت کے طرق کثیرہ یا قرائن مختفہ سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔''

[النکت علی ابن الصلاح:۱/۳۷۷،۳۷۸]

اَحادیث مبارکہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ایسا ہے جو 'المحتف بالقرائن' کی قبیل سے ہے۔اس بات کو ایک سادہ سی مثال سے یوں سمجھیں کہ زید ۱۵ سال کا ایک نوجوان لڑکا ہے اور اس کے بچپن کے دو دوست حامد اور احمد ہیں۔حامد کی سال میں ایک آدھ دفعہ زید سے ملاقات ہو جاتی ہے جبکہ احمد اس سے مستقل طور پر رابطے میں ہے۔اچانک ایک دن معلوم ہوا کہ زید کو کینسر ہے اور اس کو ہسپتال میں داخل کروادیا جاتا ہے۔احمد، زید کی عیادت کے لیے بھی ہسپتال جاتا رہتا ہے جبکہ حامد کو زید کی اس بیماری کا علم نہیں ہے۔اَچانک ایک دن حامد اور احمد دونوں کو کسی شخص کی طرف سے صرف اتنی خبر ملتی ہے کہ زید کی وفات ہوگئی ہے تو حامد کو ملنے والی خبر، صرف خبر واحد ہے جبکہ احمد کو ملنے والی خبر 'خبر الواحد المحتف بالقرائن' ہے لہٰذا اس خبر کو سننے کے بعد دونوں کو حاصل ہونے والا علم یقیناً مختلف ہوگا۔صحیح بخاری و صحیح مسلم کی تمام روایات 'خبر الواحد المحتف بالقرائن' میں سے ہیں کہ جن سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔اس موضوع پر راقم الحروف کا ایک مضمون ماہنامہ 'محدث' مارچ ۲۰۰۸ء اور ماہنامہ 'حکمت قرآن' اکتوبر ۲۰۰۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔

اس بات کا امکان موجود ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معلوم ہو کہ جس علاقے کی خبر ہدہد لے کر آرہا ہے وہاں کوئی قوم آباد ہے، لیکن اس قوم کے عقائد و نظریات کیا تھے اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام بے خبر تھے جس کی پھر ہدہد نے آکر ان کو خبر دی ہے۔

دین (قرآن وسنت) کی روایت کا بنیادی ذریعہ؛ سنت کی روشنی میں

اَحادیث میں بھی کثیر تعداد میں اس قسم کے دلائل موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین (قرآن وسنت) کے منتقل ہونے میں خبر واحد کو بنیادی ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔امام اہل سنت، امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'الرسالہ' میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے اور دین سے یہ ثابت کیا ہے کہ دین کے پہنچنے کا بنیادی ذریعہ خبر واحد ہی ہے۔

پہلی دلیل: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ تم اس بارے میں کہ خبر واحد سے دین ثابت ہوتا ہے، خود خبر سے یا اس خبر کی کسی دلالت سے یا اجماع سے حجت پیش کرو تو میں اس سے کہوں گا: مجھے سفیان نے عبدالملک بن عمیر سے خبر دی ہے۔وہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود سے اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری کوئی بات سنی پس اس کو محفوظ کیا ہے پھر یاد کیا اور پھر آگے ادا کر دیا۔پس کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہ کسی گہرے کلام کے حاملین تو ہوتے ہیں لیکن فقیہ نہیں ہوتے۔اور بہت سارے گہری باتوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حاملین ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہ اپنے سے زیادہ فقیہ و سمجھدار کو وہ بات نقل کرنے والے ہوتے ہیں... پس جب اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اقوال کے سننے' ان کو یاد کرنے اور پھر ان کو آگے پہنچانے کو کسی بھی شخص کے لیے مستحب قرار دیا ہے، جب کہ وہ ایک بھی ہو، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپؐ اپنی طرف سے کسی بھی ایسی بات کو پہنچانے کا حکم نہیں دیں گے کہ جس سے اس شخص پر حجت قائم نہ ہوتی ہو کہ جس تک وہ بات پہنچائی جائے، کیونکہ آپؐ کی طرف سے حلال و حرام بھی پہنچایا جائے گا اور ایسی حدود بھی کہ جن کو قائم کیا جائے' ایسا مال بھی جو کہ دیا یا لیا جائے اور دین و دنیا کی نصیحت بھی۔'' [الرسالة: باب الحجة فی تثبیت خبر الواحد]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی طرف سے کوئی بھی خبر واحد کسی شخص تک پہنچ جائے تو اس کا ماننا اس کے لیے حجت ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس مسئلے کے ثبوت میں کئی ایک دلائل بیان کیے لیکن ہم یہاں صرف انہی دلائل کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ جن کے ذریعے قرآن ثابت ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے بقول قرآن بھی 'خبر الواحد المحتف بالقرائن' سے ثابت ہوتا ہے اور اس کے لیے ان کے پاس درج ذیل دلائل ہیں:

دوسری دلیل: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہمیں مالک نے عبداللہ بن دینار سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے خبر دی ہے کہ اس دوران کہ لوگ قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے یہ کہا: بے شک اللہ کے رسول ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپؐ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپؐ بیت اللہ کی طرف رخ کریں تو ان تمام لوگوں نے بیت اللہ کی طرف رخ کر لیا جبکہ اس سے پہلے ان کا رُخ شام کی طرف تھا تو وہ (نماز کی حالت میں ہی) کعبہ کی طرف پھر گئے۔ اہل قباء ان لوگوں میں سے ہیں جو انصار میں ایمان و دین کی سمجھ دونوں کے اعتبار سے سبقت لے جانے والوں میں سے تھے۔ یہ لوگ اس قبلے پر تھے کہ جس کی طرف رخ کرنا اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا تھا اور ان کے لیے یہ بالکل بھی جائز نہیں تھا کہ وہ قبلہ کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے ایک فرض حکم کو (کسی خبر کی وجہ سے) چھوڑ دیں سوائے اس (خبر) کے کہ جس سے ان پر حجت قائم ہوتی ہو حالانکہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے ابھی (اس نئے حکم کی تصدیق کے بارے میں) ملاقات بھی نہ کی تھی اور نہ ہی انہوں نے ان آیات کو سنا تھا کہ جو کہ اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کے بارے میں آپؐ پر نازل کی تھیں' پس وہ سب اللہ کی کتاب (کے نزول) اور آپؐ کی سنت کی خبر آپ ﷺ کی طرف سے سن کر قبلہ رخ ہو جاتے اور نہ ہی انہوں نے خبر عامہ کی بنیاد پر ایسا کیا۔ وہ خبر واحد کو سن کر' جبکہ اس کے نقل کرنے والے ان کے نزدیک اہل صدق میں سے ہوں' اس فرض سے منتقل ہو جاتے ہیں کہ جس پر وہ پہلے سے تھے۔ پس وہ ایک شخص کی اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب اس خبر کی وجہ سے اپنے قبلے کو ترک کر دیتے ہیں کہ آپؐ نے ان کے بارے میں تحویل قبلہ کا ایک نیا حکم جاری کیا ہے۔ یہ صحابہؓ اس وقت تک کسی خبر کی بنیاد پر یہ کام کرنے والے نہ تھے' ان شاء اللہ تعالیٰ' جب تک کہ ان کو اس بات کا علم نہ ہوتا کہ اس قسم کی خبر سے حجت قائم ہو جاتی ہے' بشرطیکہ کہ خبر دینے والا اہل صدق میں سے ہو۔ (اسی طرح) صحابہؓ اس وقت تک اس قسم کے عظیم دینی معاملے کو (بذریعہ خبر واحد) بیان کرنے والے نہ ہوتے جب تک ان کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ اس طرح کے معاملات کو بھی اس طرح (یعنی خبر واحد کی صورت میں) بیان کرنے کی ان کو اجازت ہے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کو ضرور اس بات کی خبر دیتے جو کہ انہوں نے آپؐ کی طرف منسوب خبر کی بنیاد پر کیا تھا۔ صحابہ کو جو خبر واحد دی گئی تھی' اگر اس خبر کی بنیاد پر ان کے لیے اس قبلہ کو تبدیل کرنا' جو کہ ان پر فرض تھا' جائز نہ ہوتا تو اللہ کے رسول ﷺ ان شاء اللہ ضرور صحابہؓ سے یہ بات کہتے کہ تم ایک قبلے کی پیروی کر رہے تھے اور تمہارے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس قبلے سے پھرنا اس وقت تک جائز نہیں تھا جب تک کہ تمہیں اس ذریعے سے قبلہ کی تبدیلی کا علم نہ ہو جاتا کہ جس سے حجت قائم ہو جاتی ہے مثلاً تم مجھ سے براہ راست سن لیتے یا تم تک کوئی خبر العامہ پہنچتی یا ایک سے زائد افراد تمہیں اس بارے میں خبر دیتے۔'' (ایضاً)

اہل قبا اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ دور آباد نہ تھے' ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جا کر پہلے اس خبر کی تصدیق کریں گے کہ واقعتاً قبلہ تبدیل ہو گیا یا نہیں' پھر ہم اس خبر واحد کو قبول کریں گے۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "خبر واحد المحتلف بالقرائن" سے قرآن بھی ثابت ہوتا ہے۔

تیسری دلیل: امام شافعی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

''ہمیں مالک نے اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے خبر دی ہے، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے خبر دی ہے کہ انہوں نے کہا: کہ میں حضرت ابوطلحہ، ابوعبیدہ بن جراح اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کو کچی اور پکی کھجوروں کی شراب پلاتا تھا۔پس ان کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا: بے شک شراب حرام کر دی گئی ہے تو ابوطلحہ نے کہا: اے انس! اس مٹکے کے پاس کھڑے ہو جاؤ اور اس کو توڑ دو۔پس میں نے اپنا کھجوریں کوٹنے والا موسل اٹھایا اور اسے مٹکے کے نچلے حصے پر دے مارا یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گیا۔ یہ صحابہؓ اللہ کے نبی ﷺ کے ہاں مرتبے وعلم کے اعتبار سے ایک مقام پر تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول رضی اللہ عنہم کی جو صحبت نصیب ہوئی ہے اس کا تو کوئی بھی عالم انکار نہیں کرے گا۔ ان صحابہؓ کے نزدیک شراب حلال تھی اور وہ اس کو پی رہے تھے پس ان کے پاس ایک آنے والا آتا ہے اور انہیں شراب کی حرمت کی خبر دیتا ہے۔پس ابوطلحہ جو کہ شراب کے مٹکے کے مالک تھے، اس مٹکے کو توڑنے کا حکم دیتے ہیں۔پس نہ ابوطلحہ نے، نہ ان سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور نہ ہی ان میں کسی ایک صحابیؓ نے یہ بات کہی کہ ہم تو شراب کو اس وقت تک حلال سمجھیں گے جب تک خود اللہ کے رسول ﷺ سے ملاقات (کر کے اس کی حرمت معلوم) نہ کر لیں جبکہ آپؐ ان صحابہؓ کے بہت قریب بھی تھے' اسی طرح ان صحابہؓ نے یہ بھی نہیں کہا کہ جب تک ہمارے پاس 'خبر العامہ' نہیں آئے گی ہم اس وقت تک شراب کی حرمت کا یقین نہیں کریں گے۔اور یہ اس وجہ سے بھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کسی بھی حلال شے کو بہا کے ضائع کرنے والے نہیں ہیں، کیونکہ حلال کو ضائع کرنا اسراف ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم مسرفین نہیں تھے۔''

[الرسالة:باب الحجة فی تثبیت خبر الواحد]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خبر واحد کی بنیاد پر اشیاء کی حلت وحرمت بھی ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ 'خبر الواحد المحتف بالقرائن' سے قرآن بھی ثابت ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن دیا تو یہ خبر واحد تھی۔اس طرح جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے تابعین نے قرآن سیکھا تو ایسا نہیں تھا کہ ہر ہر تابعی نے صحابہؓ کے ایک جم غفیر سے مکمل قرآن سنا ہو بلکہ ایک صحابی جب کسی ایک تابعی کو قرآن پہنچا دیتے تھے تو تابعیؒ صحابیؓ کی اس خبر واحد کو قبول کرتے تھے۔تابعین کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جنہوں نے ایک' دو یا تین صحابہؓ سے قرآن حاصل کیا ہے اور یہ سب خبر واحد ہی ہے، لیکن یہ ایسی خبر واحد ہے جو کہ 'المحتف بالقرائن' ہے۔قراءات ائمہ عشرہ میں اکثر وبیشتر قراءات ایسی ہیں کہ جن کی اسناد میں تابعین نے دو، تین، چار یا پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم سے قرآن حاصل کیا ہے۔روایتِ حفص جو برصغیر پاک وہند میں پڑھی جاتی ہے، کی سند میں بھی تین تابعین ہیں جنہوں نے پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم سے پڑھا ہے۔قرآن کی اسناد پر ہم بالتفصیل بحث آگے چل کر کریں گے۔

چوتھی دلیل: نویں دلیل کے طور پر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اسی طرح آپؐ نے حضرت علیؓ کو اسی سال حج پر بھیجا اور انہوں نے مجمع عام میں قربانی کے دن سورہ توبہ کی آیات تلاوت کیں (جو کہ ابھی ابھی نازل ہوئی تھیں) اور مشرکین کے ساتھ کیے گئے معاہدات کو توڑنے کا اعلان کیا اور ان کے لیے ایک حد مقرر کی اور انہیں چند کاموں سے منع کیا۔ پس ابو بکرؓ و علیؓ اہل مکہ کے ہاں اپنے فضل، دین اور صدق میں معروف تھے اور کوئی حاجی جو کہ ان دونوں صحابہؓ یا ان میں سے کسی ایک سے ناواقف تھا، وہ کسی ایسے شخص کو پا سکتا تھا جو اس کو ان دونوں صحابہؓ کے فضل و صدق کے بارے میں خبر دے سکتا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کسی بھی ایک شخص کو اس وقت تک بھیجنے والے نہ تھے جب تک کہ اس ایک شخص کے ذریعے ان پر حجت نہ قائم ہوتی ہو کہ جن کی طرف اس کو بھیجا جا رہا ہو''۔ [الرسالة: باب الحجة فی تثبیت خبر الواحد]

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ 'خبر الواحد المحتف بالقرائن' سے قرآن بھی ثابت ہوتا ہے۔

قرآن کے ثبوت کا بنیادی ذریعہ

اہل سنت کے ہاں دین کے بنیادی مآخذ تین ہی ہیں یعنی قرآن، سنت اور اجماع۔ یہ تینوں اصول، خبر ہی سے ثابت ہوتے ہیں۔ ذیل میں ہم قرآن کے ثبوت کے بنیادی ذریعہ پر بحث کر رہے ہیں۔

قراء کرام نے ہر دور میں اللہ کے رسول ﷺ سے بذریعہ خبر سنے ہوئے قرآن کی تصدیق کی ہے اور علماء و جمیع اُمت نے اس خبر پر اتفاق کیا ہے۔ آج بھی تمام اُمت قراء ہی سے قرآن حاصل کر رہی ہے اور ہر قاری کے پاس وہ سند موجود ہے جو کہ اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن تحریری شکل میں بھی ہمارے پاس موجود ہے، لیکن یہ تحریر بھی ایک خبر ہی ہے یعنی ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ مصاحف ہمارے اوپر آسمان سے نازل ہوئے ہیں بلکہ ہم یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہمارے پاس موجود مصاحف وہی ہیں جو کہ صحابہؓ کے پاس تھے اور وہاں سے نقل در نقل ہم تک پہنچے ہیں اور صحابہ نے یہ مصاحف اللہ کے رسول ﷺ سے قرآن سن کر ترتیب دیے تھے۔ پس مصاحف بھی صحابہؓ کی خبر ہی کی بنیاد پر مرتب ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ مصاحف اور ان مصاحف میں جو لکھا ہوا ہے اسے کیسے پڑھنا ہے، یہ دونوں باتیں ہمیں اللہ کے رسول ﷺ سے بذریعہ خبر ملی ہیں۔ پس ہم ان مصاحف اور ان کے پڑھنے کی سند اللہ کے رسول ﷺ تک قطعی و یقینی ذریعے سے پہنچاتے ہیں تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آج ہمارے پاس موجود قرآن وہی ہے جو آج سے چودہ صدیاں پہلے اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوا تھا۔

اہل سنت کے نزدیک قرآن اللہ کے رسول ﷺ سے ایسی خبر کے ذریعے ثابت ہوتا ہے جو کہ قطعی و یقینی ہو۔ اسی لیے جمیع اہل سنت حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ، اہل الظاہر اور اہل الحدیث (محدثین) کے علاوہ معتزلہ اور اہل تشیع کے نزدیک بھی قرآن کی وہ تمام روایات قرآن ہی ہیں کہ جن کی نسبت اللہ کے رسول ﷺ کی طرف قطعی و یقینی طور پر ثابت ہو جائے، چاہے عامۃ الناس ان سے واقف ہوں یا نہ ہوں۔ قرآن کی یہ روایات بیس ہیں اور علماء و قراء کی اصطلاح میں انہیں عشرۃ قراءات کہا جاتا ہے۔ فقہائے اربعہ اور ان کے متبعین قرآن کی ان روایات کو قرآن مانتے ہیں، لہٰذا فقہ کی کتب میں ان سے مسائل بھی مستنبط کیے جاتے ہیں۔ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ سے لے کر معاصر مفسرین تک تقریباً تمام مفسرین نے کتاب اللہ کی تفسیر میں ان روایات کا تذکرہ کیا ہے اور ان سے قرآن کی تفسیر کی ہے۔ ہر دور میں اُصولیین نے اپنی کتابوں میں ان روایات پر بحث کی ہے اور ان کو قرآن قرار دیا ہے۔ امام سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جان لو! کتاب اللہ سے مراد وہ قرآن ہے جو کہ اللہ کے رسول ﷺ پر نازل کیا گیا ہے' مصاحف کے گتوں کے درمیان لکھا گیا ہے اور ہم تک معروف اَحرف سبعہ کے ساتھ تواتر سے منقول ہے''۔[اُصول السرخسی:ص ۲۷۹]

امام غزالی رحمہ اللہ [م ۵۰۵ھ] لکھتے ہیں:

''کتاب اللہ کی تعریف یہ ہے کہ جو مصحف کے دو گتوں کے درمیان معروف اَحرف سبعہ کے ساتھ ہم تک متواتر منقول ہے۔''[المستصفی:۱/۸۱]

ہر دور میں علماء کی ایک بہت بڑی تعداد قرآن کی ان روایات کو پڑھتی، پڑھاتی اور ان کی اسناد اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچاتی رہی ہے۔آج بھی علمائے امت کا ایک بڑا طبقہ ان تمام روایات کو بااہتمام سند نقل کر رہا ہے اور بعض روایات عوامی سطح پر بھی مختلف ممالک میں پڑھی جا رہی ہیں۔ جامعة الأزهر ،مصر میں پی۔ایچ۔ڈی کا ایک مقالہ لکھوا گیا ہے، جس میں قرآن کی جمیع روایات کی اسانید کو نقل کیا گیا ہے۔ان اسانید میں سے قرآن کریم کی روایت حفص کی سند 'مجمع البحوث الاسلامية القاهرة' کی تصدیق سے وزارة الأوقاف والشؤون الاسلامية کویت، نے شائع کی ہے جو سرکاری سطح پر عام کی گئی ہے۔روایت حفص کی اس سند میں عصر حاضر میں شام، مصر، افریقہ، سعودیہ، بلادِ مغرب اور برصغیر پاک و ہند وغیرہ کے معروف قراء کی تقریباً ڈیڑھ سو اسانید اللہ کے رسول ﷺ تک جتنے واسطوں سے پہنچتی ہے، ان سب کو نقل کیا ہے۔ یہ ایک بہت ہی نادر علمی کام ہے اور اس نہج پر تمام متواتر قراءات کی اسناد کی طباعت کا معاملہ وزارة الاوقاف کے ہاں جاری ہے۔

دنیا کے تمام بڑے بڑے اسلامی ممالک مثلاً پاکستان، سعودی عرب، مصر، مراکش، لیبیا، تیونس، شام، انڈونیشیا، ملائشیا، کویت، سوڈان اور ایران وغیرہ میں ہزاروں ایسے مدارس اور یونیورسٹیاں موجود ہیں جو ان روایات کو قرآن کے طور پر پڑھا رہی ہیں، حالانکہ ان روایات کا ایک بڑا حصہ عوام الناس کے پاس نہیں ہے یعنی عامة الناس اس کو عملاً پڑھتے نہیں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان «كلها شاف كاف» کے مطابق ان میں سے ہر روایت اپنی جگہ مکمل اور کفایت کرنے والی ہے، اسی لیے عامة الناس پر تمام روایات کے پڑھنے پڑھانے کا بوجھ نہیں ڈالا گیا ہے۔

بلادِ اسلامیہ کے بعض علاقوں میں کچھ روایات معروف ہو گئیں، جبکہ بعض دوسرے ممالک میں کچھ اور روایات عام ہو گئیں، مثلاً جن علاقوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ نافذ ہو گئی وہاں ان کے استاد امام عاصم رحمہ اللہ کی قراءت عام ہوئی۔ یہ ذہن میں رہے کہ سیدنا حفص رحمہ اللہ، جن کی روایت برصغیر پاک و ہند میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے، امام عاصم رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ علاوہ ازیں جن ممالک میں مالکی فقہ کو پذیرائی ملی وہاں امام مالک رحمہ اللہ کے استاد امام نافع رحمہ اللہ کی قراءت رائج ہو گئی، جیسا کہ آج بھی جن افریقی و مغربی اسلامی ممالک میں فقہ مالکی پر عمل ہوتا ہے وہاں روایت قالون اور روایت ورش کا رواج ہے اور یہ دونوں روایتیں امام نافع سے ہی مروی ہیں۔ پس جس طرح بہت سے فقہی مذاہب تاریخی، جغرافیائی، سیاسی اور معاشرتی حالات کی وجہ سے صرف کتابوں میں رہ گئے اور عامة الناس میں جاری نہ ہو سکے اسی طرح بہت سی قرآن کی روایات ایک خاص عرصے تک ہی عامة الناس میں جاری رہی ہیں۔

امام ابن عطیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''قراءاتِ سبعہ بلکہ عشرہ بھی ہر زمانے اور ہر شہر میں رائج رہی ہیں اور ان کی نماز میں تلاوت کی جاتی رہی ہے کیونکہ یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجماع امت سے ثابت ہیں۔'' [المحرر الوجیز لابن عطیة:۹/۱]

لیکن بعد میں بعض فقہی وجغرافیائی اثرات کی وجہ سے عامۃ الناس میں ان کا پڑھنا، پڑھانا ختم ہوگیا اور صرف قراء وعلماء کی حد تک باقی رہا، جبکہ عامۃ الناس میں عموماً وہ روایات باقی رہی ہیں کہ جن کا مروج ومعروف فقہی مذاہب کے ساتھ کوئی تعلق قائم تھا۔

غامدی صاحب سے جب یہ سوال ہوا کہ قرآن کہاں ہے؟ تو اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ وہ امت کے پاس ہے۔ اگر قرآن اُمت کے پاس ہے تو اس وقت اُمت میں قرآن کی چار روایات یعنی روایت حفص، روایت ورش، روایت قالون اور روایت دوری پڑھی جا رہی ہیں۔ غامدی صاحب کے پاس جو قرآن ہے وہ علماء اہل سنت کی اصطلاح میں روایتِ حفص ہے جبکہ غامدی صاحب اس کو 'روایتِ حفص' نہیں مانتے بلکہ 'قراءتِ عامہ' کہتے ہیں۔ دنیا کے تقریباً چالیس ممالک میں روایت ورش اور پانچ ممالک میں روایت قالون اور بعض ممالک میں روایت دوری میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔ غامدی صاحب کہتے ہیں کہ قرآن امت کے اجماع اور قولی تواتر سے ثابت ہوتا ہے۔ امت تو اس وقت عملاً پانچ روایات پڑھ رہی ہے کسی ایک روایت کے پڑھنے پر امت کا اتفاق تو دور کی بات ہے' عامۃ الناس کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ قرآن کی 'روایت حفص' کے علاوہ بھی کوئی روایت ہے جو کہ بعض دوسرے اسلامی ممالک میں پڑھی جاتی ہے اور اس کے پڑھنے کا انداز واسلوب 'روایتِ حفص' سے بہت مختلف ہے۔

ایک نشست میں راقم الحروف نے غامدی صاحب سے جب یہ سوال کیا کہ مشرق میں جو قرآن پڑھا جا رہا ہے، بلادِ مغرب کے عامۃ الناس اس کو قرآن نہیں مانیں گے اور جو بلادِ مغرب میں پڑھا جا رہا ہے، مشرق کے لوگ اس کا انکار کریں گے تو اُمت کا ایک قرآن پر اجماع کیسے ہوگا؟ غامدی صاحب نے اس کا جواب یہ دیا کہ اگرچہ مشرق کے عوام الناس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ مغرب میں کیا پڑھا جا رہا ہے اور اگر وہ ان کے سامنے پڑھا جائے تو وہ اپنے علماء سے اس کی تصدیق چاہیں گے اور علماء کی تصدیق کی صورت میں اس کو قرآن مان لیں گے، یعنی عوام الناس کا اجماع دراصل علماء کے تابع ہوتا ہے لہٰذا قرآن پر اجماع ہو جائے گا، چاہے وہ مشرق میں پڑھا جا رہا ہو یا مغرب میں۔ غامدی صاحب نے بہت عمدہ بات کی ہے کہ اجماع سے مراد عوام الناس کا اجماع نہیں ہے، بلکہ اہل علم کا اجماع ہے۔ پس اہل علم حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اہل حدیث، بریلوی اور دیوبندی چودھ صدیوں سے بلا اختلاف قرآن کریم میں متعدد انداز سے پڑھنے کی مشروعیت پر متفق ہیں۔ اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مشرق ومغرب میں پڑھی جانے والی روایت حفص، قالون، ورش اور دوری قرآن ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ سے قطعی ویقینی سند سے ثابت ہیں۔ اسی طرح یہ سب اہل علم اس بات پر بھی متفق ہیں کہ عشرہ ائمہ کی قراءات بھی قطعی ویقینی سند سے اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہیں لہٰذا یہ سب قراءات امت کے اجماع سے ثابت ہوئی ہیں اور اگر کسی نے ان کا انکار کیا بھی ہے تو وہ ایسا ہی ہے کہ جس اختلاف کے لیے محترم غامدی صاحب 'ما لا یُعبأ به' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ کسی بھی مسئلے میں امت کے اجماع سے مراد درحقیقت اہل علم ہی کا اجماع ہوتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''تمام محدثین صحیحین کی اکثر احادیث کو قطعاً صحیح کہتے ہیں اور عوام الناس حدیث کے علم میں محدثین کے متبعین ہیں' پس محدثین کا کسی خبر کے صدق پر اجماع ایسا ہی ہے جیسا کہ فقہاء کا کسی فعل پر اجماع ہو کہ یہ حلال' حرام یا واجب ہے اور جب اہل علم کا کسی چیز پر اجماع ہو جائے تو تمام عوام الناس اس اجماع میں علماء کے تابع ہوتے ہیں (پس علماء کا اجماع

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'پوری امت کے اجماع کے قائمقام ہے) پس امت اپنے اجماع میں معصوم ہے' پوری امت کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ خطا پر اکٹھی ہو'۔[مجموع فتاوی ابن تیمیة:۱۸/۱۷]

علاوہ ازیں جس خبر کو امت میں 'تلقی بالقبول' حاصل ہو، اس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔ پس روایت حفص' دوری، ورش اور قالون اگرچہ سند کے اعتبار سے خبر واحد ہی کیوں نہ ہوں لیکن عامۃ الناس میں ان کو 'تلقی بالقبول' حاصل ہے۔ اسی طرح بقیہ روایات قرآن کو اہل علم میں قبولیت عامہ کا درجہ حاصل ہے لہٰذا یہ تمام قراءات خبر واحد سے ثابت ہونے کے باوجود علم قطعی ویقینی کا فائدہ دیتی ہیں۔ اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ایسی خبر واحد کہ جس کو 'تلقی بالقبول' حاصل ہو علم کا فائدہ دیتی ہے اور یہی جمہور احناف' مالکیہ' شوافع اور اصحاب احمدؒ کا قول ہے اور اکثر اشاعرہ کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ الاستاذ اسفرائینی رحمہ اللہ اور ابن فورک رحمہ اللہ ہیں۔''

[مجموع فتاوی ابن تیمیة:۱۸/۴۱]

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اللہ کے رسول ﷺ سے قطعی ویقینی سند کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اور مشہور قراء کے اتفاق سے قرآن قرار پاتا ہے۔ باقی اُمت قرآن کے معاملے میں قراء کے تابع ہے لہٰذا قرآن کی جس روایت کو قراء قطعی و یقینی سند کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ تک ثابت کر دیں اور اس کے قرآن ہونے پر اتفاق کر لیں تو وہ قرآن ہے۔ جس پر قراء کا اتفاق ہے تبعاً اُمت کے علماء اور عامۃ الناس بھی اس کو قرآن قرار دیتے ہیں لہٰذا اس طرح وہ اُمت کے اتفاق سے قرآن قرار پاتا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''کتاب اللہ کی تعریف یہ ہے کہ اس سے مراد وہ کلام ہے جو کہ اللہ کے رسول ﷺ پر نازل کیا گیا ہے' مصاحف میں لکھا گیا ہے اور ہم تک تواتر سے منقول ہے.....ہم تک تواتر سے منقول ہونے کی شرط لگانے سے قراءات شاذہ نکل گئی ہیں.....اور اس ساری بحث کا حاصل کلام یہ ہے کہ جس پر مصاحف مشتمل ہیں اور معروف قراء کا اس پر اتفاق ہو، وہ قرآن ہے''۔ [ارشاد الفحول:ص۴۶،۴۷]

آج قرآن کہاں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن اس قطعی ویقینی خبر میں ہے کہ جس کی نسبت قراء حضرات نے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف کی ہے۔ قراء کرام متصل سند کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ سے حاصل کیے گئے قرآن کو اُمت تک پہنچاتے ہیں۔ یہ قرآن اگرچہ مصاحف میں بھی لکھا ہوا ہے، لیکن قراء سے سیکھے بغیر کسی شخص کے لیے براہِ راست مصاحف سے اس کو صحیح طور پر پڑھنا ممکن نہیں ہے۔ اُمت ہر دور میں قراء کرام ہی سے قرآن سیکھتی آئی ہے۔

آج بھی تمام اسلامی ممالک میں جو مصاحف شائع کیے جاتے ہیں ان کی طباعت و اشاعت کی اس وقت تک اجازت نہیں ہوتی ہے جب تک کہ اس کی تصدیق ان مستند قراء سے نہ کروالی جائے جو کہ باقاعدہ علم قراءات اور اس سے متعلقہ فنون سے واقف ہوں اور ان کے پاس اس کی سند بھی اللہ کے رسول ﷺ تک موجود ہو۔ پس اس وقت جو بھی مصاحف اسلامی ممالک میں شائع ہو رہے ہیں وہ انہی قراء کرام کی تصدیق سے شائع ہو رہے ہیں جو کہ باقاعدہ قرآن کی سند رکھتے ہیں، لہٰذا عامۃ الناس کے پاس جو مصاحف موجود ہیں وہ قراء کے واسطے سے ہیں اور عامۃ الناس مطبوع قرآن کے حصول میں بھی قراء کے محتاج ہیں۔ مثال کے طور پر 'مجمّع الملك فهد' کے زیر نگرانی کروڑوں کی تعداد میں جو بھی مصاحف شائع کر کے پوری دنیا میں بھیجے جاتے ہیں' ان سب مصاحف کی مراجعت جلیل القدر مصری وسعودی علماء کی ایک جماعت کرتی ہے اور اس مراجعت میں کتب قراءات کو ہی معیار بنایا جاتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ مصحف مدنی کے آخر میں ہے:

''پس علماء کی اس کمیٹی نے اس مصحف کی نظر ثانی کی ذمہ داری قبول کی ہے اور علم قراءات، علم الرسم، علم الضبط، علم الفواصل، علم الوقف اور علم التفسیر کی بنیادی کتابوں سے اس مصحف کی مراجعت کا کام مکمل کیا ہے''۔

یہ مصحف سعودی حکومت کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے۔اسی طرح روایت قالون میں 'لیبیا' سے شائع ہونے والے مصحف کے آخر میں ہے:

''تیونس' لیبیا اور بلادمغرب کے علماء کی ایک کمیٹی نے اس مصحف کی مراجعت کا کام مکمل کیا ہے جو کہ علم قراءات' علم الرسم اور علم ضبط میں ماہر علماء شمار ہوتے ہیں''۔

یہ مصحف 'لیبیا' کی حکومت کی نگرانی میں شائع ہوا ہے۔'لیبا' میں عوام الناس میں روایت قالون پڑھی جاتی ہیں اسی لیے وہاں روایت قالون میں مصحف شائع ہوتے ہیں۔

'لیبیا' ہی سے سرکاری سطح پر شائع ہونے والے ایک اور مصحف کے آخر میں ہے:

''امام قالون رحمہ اللہ کی امام نافع رحمہ اللہ سے مروی روایت تمام طبقات میں متواتر ہے...امام قالون رحمہ اللہ کی یہ روایت لیبا' تیونس' موریطانیہ اور افریقہ کے دوسرے ممالک میں بہت بڑے پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے۔وہ طریقہ کہ جس کے ذریعے یہ روایت ہمارے ان علاقوں میں پھیلی ہے اور اسکے ذریعے قرآن کو یاد کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ روایت ہم تک روایت کے اعلی درجات سے نقل ہوتے ہوئے پہنچی ہے یعنی اس طرح کہ ایک قاری کسی دوسرے مقری (پڑھانے والے) سے براہ راست قرآن کو اخذ کرتا ہے اور یہ سلسلہ اللہ کے رسول ﷺ تک اور پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اور پھر اللہ رب عز وجل تک پہنچ جاتا ہے جیسا کہ ہم نے روایت کی سند میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے''۔

روایت 'دوری' میں بیروت سے شائع ہونے والے ایک مصحف کے آخر میں ہے:

''پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے احسان اور فضل سے امام ابوعمرو بصری کے شاگرد 'دُوری' کی روایت میں قرآن کو چھاپنے کی توفیق دی ہے۔اس مصحف کو شام کے فضیلۃ الشیخ محمد کریم راجح اور محمد فهد خاروف نے علم قراءات، علم الرسم، علم الضبط، علم الفواصل، علم الوقف اور علم التفسیر کے بنیادی مصادر کی رہنمائی میں تیار کیا ہے''۔

اسی طرح مراکش سے 'وزارة الأوقاف والشؤون الاسلامية المملكة المغربية' کے تحت شائع ہونے والے مصحف کے آخر میں بھی قراء کی ایک فہرست بیان کی گئی ہے کہ جنہوں نے اس روایت کی تصدیق کی ہے۔یہ مصحف مراکش کی حکومت کی طرف سے سرکاری طور پر جاری کیا گیا ہے اور یہ روایت ورش میں ہے کیونکہ مراکش اور افریقہ کے اکثر ممالک میں عامۃ الناس روایت ورش میں قرآن پڑھتے ہیں۔

اسی طرح کا معاملہ مصر اور پاکستان سے شائع ہونے والے مصاحف کا بھی ہے۔مصر میں جامعة الازھر کے ما تحت ادارے 'مجمع البحوث الاسلامية' کی تصدیق کے بعد مصاحف شائع کیے جاتے ہیں، جبکہ پاکستان میں 'وزارة الأوقاف' کی طرف سے مقرر کردہ قراء حضرات کی تصدیق کے بعد قرآن کی طباعت اور نشر واشاعت کی اجازت دی جاتی ہے۔

مکتبہ کلیّہ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ میں عالم اسلام میں مروج چار قراءات میں چالیس کے قریب مطبوع مصاحف موجود ہیں، جن میں تمام مصاحف کے آخر میں ماہر قراء کے تصدیق نامے موجود ہیں اور اس کے بعد ہی وہ مصاحف نشر کیے گئے ہیں۔شائقین حضرات تحقیق کی غرض سے ان مصاحف کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ تو مصاحف کا معاملہ ہے جبکہ دوسری طرف مصاحف سے قرآن پڑھنے کے لیے بھی عامۃ الناس قراء ہی کے محتاج ہیں۔ ہمارے معاشرے کا ۹۹ فی صد طبقہ ایسا ہے جو آج بھی مسجد کے قاری صاحب سے قرآن حاصل کر رہا ہے، نہ کہ اپنے ماں، باپ یا دادا، دادی یا نانا نانی سے۔ جس ایک فی صد طبقے نے اپنی نانی و دادی سے قرآن سیکھا بھی ہے تو امر واقعہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کی دوسطریں بھی درست نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ اصل قرآن قراء ہی سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ عامۃ الناس سے اور عامۃ الناس قرآن کے حصول میں قراء کے تابع ہیں۔

الحمدللہ! آج کسی بھی بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث، حنفی، مالکی، شافعی یا حنبلی کو یہ سوال پیدا نہیں ہوتا ہے کہ روایت حفص کے علاوہ بھی قرآن ہے یا نہیں؟ اگر انہیں یہ سوال پیدا ہو بھی جائے تو وہ اپنے علماء اور قراء پر اس مسئلے میں اعتبار کرتے ہیں اور وہ کبھی تمنا عمادی صاحب یا جاوید غامدی صاحب سے پوچھنے نہیں جاتے کہ یہ قرآن ہے یا نہیں۔ اس طرح بیس روایات کے قرآن ہونے پر امت کا اتفاق حاصل ہو جاتا ہے، سوائے ان لوگوں کے، جن کی تعداد ورائے کو امت کے اجماع کے بالمقابل کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ آج اللہ کے فضل سے مرکز اسلام مسجد نبوی اور دنیا کی کئی ایک معروف مساجد میں نماز میں کئی ایک روایات میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔

اب ہم اس سوال کے جواب کی طرف آتے ہیں کہ قرآن خبر متواتر سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو خبر متواتر سے مراد کیا ہے؟ خبر کے ذریعہ سے جو علم حاصل ہوتا ہے بعض اوقات وہ ظنی ہوتا ہے اور بعض اوقات قطعی و یقینی ہوتا ہے۔ ایسی خبر کہ جس کے ذریعہ قطعی و یقینی علم حاصل ہو خبر متواتر کہلاتی ہے۔ متواتر کے اس مفہوم پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔ بعض علماء نے خبر متواتر کے لیے ایک جم غفیر کی روایت کو بطور شرط بیان کیا ہے لیکن جمہور علمائے اہل سنت کے نزدیک خبر متواتر کو صرف تعداد رواۃ کے ساتھ مقید کرنا غلط ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ [م ۷۲۸ھ] فرماتے ہیں:

''متواتر کی اصطلاح کا اصل مقصود علم یقینی کا حصول ہے جبکہ بعض لوگ متواتر اس کو کہتے ہیں جس کو ایک بہت بڑی تعداد نے نقل کیا ہو اور علم یقینی صرف ان کی کثرت تعداد کی بنیاد پر حاصل ہو رہا ہو۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ایک مخصوص تعداد جب ایک واقعے میں علم یقین کا فائدہ دیتی ہے تو وہ تعداد ہر واقعے میں علم یقین کا فائدہ دے گی اور یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح قول جمہور علماء کا ہے، جس کے مطابق بعض اوقات علم یقینی مخبرین کی تعداد سے حاصل ہوتا ہے جبکہ بعض اوقات مخبرین کی (اعلیٰ) دینی صفات اور ضبط سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات خبر کے ساتھ کچھ ایسے قرائن ملے ہوئے ہوتے ہیں کہ جن کی موجودگی میں علم یقینی حاصل ہو رہا ہوتا ہے جبکہ بعض اوقات ایک گروہ کو ایک خبر سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے اور دوسرے کو نہیں ہو رہا ہوتا ہے... جہاں تک اس عدد کا تعلق ہے کہ جس سے تواتر حاصل ہو جائے تو بعض لوگوں نے اس کے لیے ایک مخصوص عدد مقرر کیا ہے۔ پھر جنہوں نے مخصوص عدد مقرر کیا ہے ان میں اس عدد کی تعیین میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک چار سے زائد، بعض کے ہاں بارہ، بعض چالیس، بعض ستر، بعض تین سو اور بعض تین سو تیرہ کے عدد کو تواتر کے حصول کی بنیاد بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کچھ اقوال ہیں لیکن یہ سب اقوال باطل ہیں کیونکہ یہ دعوی میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں جبکہ صحیح قول یہ ہے کہ تواتر کا کوئی عدد مقرر نہیں ہے... (یعنی یہ ایک آدمی سے بھی حاصل ہو سکتا ہے اور بعض اوقات ستر سے بھی حاصل نہ ہوگا)۔ [مجموع الفتاوی: ۴۹/۱۸]

امام ابن جزری رحمہ اللہ متوفی ۸۳۲ھ نے بھی منجد المقرئین میں تواتر کی اصل، تعداد رواۃ کی بجائے علم کے حصول کو قرار دیا ہے۔ پس جب علماء قرآن کو متواتر کہتے ہیں تو ان کی تواتر سے مراد تعدد رواۃ نہیں ہوتی بلکہ علم یقینی کا حصول ہوتا ہے۔ امام سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جان لو! کتاب اللہ سے مراد وہ قرآن ہے جو کہ اللہ کے رسول ﷺ پر نازل کیا گیا ہے' مصاحف کے گتوں کے درمیان لکھا گیا ہے اور ہم تک معروف اُحرف سبعہ کے ساتھ تواتر سے منقول ہے۔'' [أصول السرخسی: ص ۲۷۹]

امام غزالی رحمہ اللہ [م ۵۰۵ھ] لکھتے ہیں:

''کتاب اللہ کی تعریف یہ ہے کہ جو مصحف کے دو گتوں کے درمیان معروف اُحرف سبعہ کے ساتھ ہم تک متواتر منقول ہے''۔ [المستصفی: ۱/۸۱]

ان دونوں جلیل القدر فقہاء نے قرآن کی تعریف میں قراءات متواترہ کو بھی شامل کیا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قراءات متواترہ کا تواتر، تعدد رواۃ کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ایسی سند کی بنیاد پر ہے جو یقینی و قطعی طور پر ثابت ہے، کیونکہ قراءات سبعہ کو نقل کرنے والے ائمہ بھی منفرد ہیں یعنی ائمہ کے طبقے میں اسنادی تواتر غریب کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ ائمہ سبعہ کے طبقات میں ایسے قراء موجود تھے جو ان ائمہ ہی کی طرح قراءات نقل کر رہے تھے، لیکن ان کی اسناد آگے منتقل نہ ہو سکیں۔ پس یہ عددی تواتر طبقاً عن طبق تو موجود ہے یعنی قراء کے ایک بہت بڑے طبقے نے دوسرے بڑے طبقے سے نقل کیا ہے اور قراء کے ان طبقات کے حالات زندگی طبقات القراء کی کتب میں موجود ہیں لیکن استنادی تواتر کہ ایک ہی سند کے ہر طبقے میں قراء کی ایک بڑی تعداد کسی قراءت یا روایت کو نقل کر رہی ہو تو ایسا عددی تواتر کتب قراءات میں ہر طبقے کے حوالے سے محفوظ نہیں ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ طبقات القراء کی کتب کا ہر طبقے میں سبعہ عشرہ قراءات کے نقل میں عددی تواتر کو ثابت کرنا، خبر واحد سے منقول بعض قراءات عشرہ کے ثبوت کے لیے قرائن محتفہ میں سے ہے۔ جو عددی تواتر طبقاً عن طبق ہوتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی طبقے مثلاً تیسری صدی ہجری کے بارے میں طبقات القراء کی کتابوں میں قراء کے حالات زندگی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس صدی میں اتنے قراء تھے جو سبعہ عشرہ کو نقل کر رہے تھے، ان کے اساتذہ کی تعداد اتنی تھی اور ان کے شاگرد اتنے تھے۔ اس معنی میں عددی تواتر عشرہ قراءات کے ہر طبقے میں موجود ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ غامدی صاحب اس مسئلے میں تو اہل سنت کے ساتھ ہیں کہ قرآن بنیادی مآخذ دین میں سے ہے، لیکن قرآن سے مراد کیا ہے؟ اس میں غامدی صاحب اور اہل سنت میں اختلاف ہے۔ اہل سنت جمیع قراءات متواترہ کو قرآن کے مسمّی میں شامل کرتے ہیں، جبکہ غامدی صاحب ان قراءات کو فتنہ عجم قرار دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن کے منتقل ہونے کے جو بنیادی ذرائع ہیں' ان میں بھی اہل سنت اور غامدی صاحب کے درمیان فرق یہ ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک قرآن اجماع صحابہؓ سے ثابت ہوتا ہے اور اجماع ہی کے ذریعے منتقل بھی ہوتا ہے، جبکہ اہل سنت کے نزدیک قرآن صحابہؓ کی طرف سے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب قطعی خبر واحد سے ثابت ہوتا ہے، جو بعض اوقات محتف بالقرائن کے قبیل سے ہوتی ہے اور بعض اوقات اس خبر کے ثبوت پر اجماع امت بھی ہوتا ہے۔ پس دین قرآن کے منتقل و حجت ہونے کا اصل و واحد ذریعہ خبر ہے۔ قرآن وسنت کی بیسیوں نصوص میں ہر دور میں اللہ کے نبی ﷺ کی طرف سے پہنچائی گئی ہر اس قطعی خبر میں قرآن کو تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس کا اتصال آپ تک ثابت ہو۔ پس آج کے دور میں قرآن تاج کمپنی کے مصاحف میں ہے؟ یا مولانا اصلاحی کے تفسیری نکات میں؟ یا منکرین قراءات کی بے بنیاد تحقیقات میں؟ کہاں ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آج قرآن قراء کی جماعت کی اس قطعی خبر میں ہے کہ جس کی نسبت قراء کرام اللہ کے رسول ﷺ کی طرف متصل طور پر ثابت کرتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ محمد زبیر☆

قراءات متواترہ.....غامدی موقف کا تجزیہ

[قراءاتِ متواترہ اور اہل سنت کا موقف]

حافظ محمد زبیر ﷾ کی فاضل شخصیت علمی حلقوں میں اب محتاج تعارف نہیں۔ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت وفطانت سے حظِ وافر عطاء فرمایا ہے۔ جاوید احمد غامدی کے جمیع منحرف نظریات کے اُصول ومبادی پر آپ کی کئی تحریریں منظر عام پر آ کر داد وصول کر چکی ہیں، جو کہ 'فکر غامدی' کے نام سے کتابی صورت میں بھی مطبوع ہیں۔ زیر نظر شمارہ میں بھی حافظ صاحب ﷾ نے جاوید غامدی کے نظریہ 'انکار قراءات' پر دو مضمون تحریر کیے ہیں، جن میں سے یہ مضمون اگرچہ ماہنامہ 'رشد' کے جولائی ۲۰۰۷ء کے شمارے میں پہلے شائع ہو چکا ہے، لیکن موصوف نے اس مضمون میں متعدد مقامات پر تشنہ رہ جانے والے دیگر پہلوؤں کا اضافہ بھی کیا ہے اور غامدی صاحب کی طرف سے پیش کردہ بعض دیگر اعتراضات، جن کا جواب پچھلے مضمون میں ذکر نہیں کیا جا سکا تھا، کا تنقیدی جائزہ بھی پیش کر دیا ہے۔ [ادارہ]

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور شریعت اسلامیہ میں اصل الاصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاریخ اسلامی کے ہر دور میں فقہاء وعلماء نے استنباطِ اَحکام کے لیے اسے اپنا اوّلین مرجع ومصدر بنایا۔ اس کی بہت سی خصوصیات ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ پر ایک سے زائد قراءات کے ساتھ نازل ہوا اور پھر اِن قراءات کے ساتھ اُمت میں مروی ہے۔ ان میں سے بعض قراءات ایسی ہیں جو آج بھی بعض ممالک اسلامیہ میں عوام الناس کی سطح پر رائج ہیں، مثلاً روایتِ حفص، روایتِ قالون، روایتِ ورش اور روایتِ دُوری۔ جب کہ بعض قراءات ایسی ہیں جو اُمت کے خواص میں نقل در نقل چلی آ رہی ہیں اور اُمت کے فقہاء، علماء، مفسرین، محدثین، مجتہدین اور قراء کا ان قراءات کے قرآن ہونے پر اتفاق ہے۔

علمائے اُمت نے قراءات کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

① قراءات متواترہ

یہ وہ قراءات ہیں جن میں درج ذیل تین شرائط پائی جائیں:

(ا) جو رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو اور ائمۂ قراء کے ہاں مشہور ہو۔

(ب) جو مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے مطابق ہو۔

(ج) جو لغات عرب میں سے کسی لغت کے مطابق ہو۔

☆ فاضل جامعة لاهور الإسلامية، لاہور و فاضل قراءات سبعة وعشرة

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

④ قراءاتِ شاذہ

اگر کسی قراءت میں ان تین شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو اسے قراءتِ شاذہ کہتے ہیں۔قرآن سے اَحکام مستنبط کرتے ہوئے اور قرآن کی قراءاتِ متواترہ کو دلیل بنانے پر مذاہبِ اَربعہ کے جمیع فقہاء کا اتفاق ہے،لیکن قراءات شاذہ کے بارے میں اختلاف ہے۔

اَحناف اور حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ قراءاتِ شاذہ کی اگر سند صحیح ہو تو وہ بطورِ حدیث حجت ہیں، جب کہ مالکیہ اور شوافع کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قراءاتِ شاذہ حجت نہیں ہیں۔

قراءاتِ متواترہ کے بارے میں غامدی صاحب کا نقطۂ نظر

غامدی صاحب نے اپنی کتاب 'میزان' میں قراءات متواترہ پر مختلف اعتراضات وارد کرتے ہوئے ان کا انکار کیا ہے۔غامدی صاحب کے نزدیک قرآن کی متواتر قراءات فتنۂ عجم کی باقیات میں سے ہیں۔ان کے نزدیک قرآن کی صرف ایک ہی قراءت ہے جسے وہ 'قراءتِ عامہ' کہتے ہیں۔یہ وہ قراءت ہے جو کہ مشرق کے اکثر و بیشتر ممالک میں 'روایت حفص' کے نام سے رائج ہے۔غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''لہٰذا یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قرأت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے۔اس کے علاوہ اس کی جو قراتیں تفسیروں میں لکھی ہوئی ہیں یا مدرسوں میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں،وہ سب اس فتنۂ عجم کی باقیات ہیں جس کے اثرات سے ہمارے علوم کا کوئی شعبہ،افسوس ہے کہ محفوظ نہیں رہ سکا۔''

[میزان:ص۳۲]

غامدی صاحب مراکش،تیونس،لیبیا،سوڈان،یمن،موریطانیہ،الجزائر،صومالیہ اور افریقہ کے اکثر و بیشتر ممالک میں رائج قراءات کو قرآن نہیں مانتے۔ایک جگہ لکھتے ہیں:

''قرآن وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں اُمت مسلمہ کی عظیم اَکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔یہ تلاوت جس قرأت کے مطابق کی جاتی ہے،اس کے سوا کوئی دوسری قرأت نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔''[میزان:ص۲۵،۲۶]

غامدی صاحب نے قراءات متواترہ کے بارے میں صحاح ستہ میں موجود 'سبعہ اَحرف' کی متواتر روایات کا انکار کیا ہے۔وہ حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت پر اعتراضات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اول یہ کہ یہ روایت اگرچہ حدیث کی امہات کتب میں بیان ہوئی ہے،لیکن اس کا مفہوم ایک ایسا معمہ ہے جسے کوئی شخص اس اُمت کی پوری تاریخ میں کبھی حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی تعیین میں چالیس کے قریب اَقوال اپنی کتاب 'الاتقان' میں نقل کیے ہیں،پھر ان میں سے ہر ایک کی کمزوری کا احساس کر کے موطأ کی شرح 'تنویر الحوالك' میں بالآخر یہ اعتراف کر لیا ہے کہ اسے من جملہ متشابہات ماننا چاہیے جن کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا.....یہی معاملہ ان روایتوں کا بھی ہے جو سیدنا صدیق اور ان کے بعد سیدنا عثمان کے دور میں قرآن کی جمع و تدوین سے متعلق حدیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔قرآن،جیسا کہ اس بحث کی ابتدا میں بیان ہوا،اس معاملے میں بالکل صریح ہے کہ وہ براہِ راست اللہ کی ہدایت کے مطابق اور رسول اللہ ﷺ کے حین حیات میں مرتب ہوا،لیکن یہ روایتیں اس کے برخلاف ایک دوسری ہی داستان سناتی ہیں جسے نہ قرآن قبول کرتا ہے اور نہ عقل عام ہی کسی طرح ماننے کے لیے تیار ہو سکتی ہے۔صحاح میں یہ اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں۔ائمہ رجال

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہیں تدلیس اور اِدراج کا مرتکب تو قرار دیتے ہی ہیں، اس کے ساتھ اگر وہ خصائص بھی پیش نظر رہیں جو امام لیث بن سعد نے امام مالک کے نام اپنے ایک خط میں بیان فرمائے ہیں تو ان کی کوئی روایت بھی، بالخصوص اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔'' [میزان: ص ۳۰، ۳۱]

غامدی صاحب کے نقطۂ نظر کی غلطی

ہم ذیل میں غامدی صاحب کے ان اعتراضات اور ان کے جوابات کو علی الترتیب ذکر کریں گے:

غامدی صاحب کی عربی دانی

غامدی صاحب قراءات متواترہ پر تنقید کا شوق پورا فرما رہے ہیں اور کیفیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب 'میزان' میں ص ۲۵ سے لیکر ۳۳ تک 'قرأت کے اختلاف' کے عنوان سے قراءات متواترہ پر بحث کی ہے اور 'قرأت' کا لفظ اپنی اس بحث میں تقریباً ۳۴ دفعہ لے کر آئے ہیں اور ہر دفعہ انھوں نے اس لفظ کو 'قرأت' ہی لکھا ہے' گویا انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ لفظ 'قرأت' نہیں، بلکہ 'قراءت' ہوتا ہے، جس کی جمع 'قراءات' ہے۔

غامدی صاحب حفاظت قرآن کے قائل نہیں ہیں

غامدی صاحب تو حفاظت قرآن کے بھی قائل نہیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''لہٰذا یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قرأت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے۔ اس کے علاوہ اس کی جو قرأتیں تفسیروں میں لکھی ہوئی ہیں یا مدرسوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں، وہ سب اس فتنۂ عجم کے باقیات ہیں''۔ [میزان: ص ۳۲]

گویا غامدی صاحب قرآن کو محفوظ نہیں سمجھتے۔ اگر قرآن مجید محفوظ ہے تو پھر یہ 'قراءات' اُمت میں بطورِ قرآن کیسے رائج و معروف ہو گئیں؟

- امام المفسرین ابن جریر طبری رحمہ اللہ سے لے کر علامہ آلوسی رحمہ اللہ تک ہر مفسر نے اپنی تفسیر میں ان قراءات کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے ذریعے آیات قرآنیہ کی تفسیر و تاویل میں مدد لی ہے۔
- یہ قراءات مشرق سے لے کر مغرب تک تقریباً تمام اسلامی ممالک کی عالمی شہرت کی حامل جامعات مثلاً جامعہ ازہر، جامعہ کویت اور مدینہ یونیورسٹی وغیرہ کے نصاب میں شامل ہیں۔
- بریلوی ہوں یا اہل حدیث، دیوبندی ہوں یا اہل تشیع، تقریباً تمام مکاتب فکر کے بڑے بڑے مدارس میں یہ قراءات سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہیں۔
- اُمتِ مسلمہ کی ایک بہت بڑی تعداد غامدی صاحب کی 'قرأت عامہ' کے مطابق قرآن نہیں پڑھتی۔ مثلاً لیبیا، تیونس اور الجزائر کے بعض علاقوں میں روایت 'قالون' پڑھی جاتی ہے۔ سوڈان، صومالیہ اور یمن (حضرموت) کے علاقے میں روایت 'دوری' میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح موریطانیہ، الجزائر کے اکثر و بیشتر علاقوں، مراکش اور براعظم افریقہ کے اکثر ممالک میں روایت 'ورش' رائج ہے۔ بلکہ واضح رہے کہ اکیلی روایت 'ورش' دنیا کے تقریباً چالیس ممالک میں رائج ہے۔ ہمارا غامدی صاحب سے سوال ہے کہ:
- کیا ہمارے تمام مفسرین قرآن سے جاہل تھے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- کیا اللہ تعالیٰ نے 'فتنہ عجم' کو امت مسلمہ میں اتنا عام کر دیا کہ کیا خواص اور کیا عوام' سب ہی اسے چودہ صدیوں سے قرآن سمجھ کر پڑھ رہے ہیں؟
- کیا ان مذکورہ بالا تمام ممالک میں رہنے والے کروڑوں مسلمان اپنی نمازوں میں قرآن کی بجائے 'فتنہ عجم' کی تلاوت کرتے ہیں؟
- کیا غامدی صاحب مراکش' لیبیا' تیونس' الجزائر' موریطانیہ' سوڈان' صومالیہ' یمن' مغربی ممالک اور براعظم افریقہ کے کروڑوں مسلمانوں کو اُمت مسلمہ میں شامل نہیں سمجھتے؟
- کیا عالم عرب وعجم کے تمام معروف قراء کی مختلف 'قراءات' میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹس 'مشرق' میں عام نہیں ہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اُمت مسلمہ میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی روایت، روایت حفص ہے، لیکن اُمت کی ایک معتد بہ تعداد میں روایت قالون، ورش اور دوری بھی رائج ہے۔ اور ان 'قراءات' کا اُمت مسلمہ میں رائج ہونا ہی ان کے قرآن ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے' کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر:۹]

''بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔

جب اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تو ایک ایسی چیز جو قرآن نہیں ہے، وہ اُمت مسلمہ میں بطور قرآن کیسے رائج ہو سکتی ہے؟

غامدی صاحب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جس طرح وہ صرف اسی قراءت کے قائل ہیں جو مشرق کے عوام الناس میں رائج ہے اور مغرب میں پڑھی جانے والی قراءات کے انکاری ہیں اسی طرح مغرب میں بھی بعض ایسے لوگ موجود ہیں جو صرف اسی قراءت کو حق سمجھتے ہیں جو کہ ان کے علاقوں میں پڑھی جاتی ہے اور غامدی صاحب کی 'قرأت عامہ' ان کے نزدیک قرآن نہیں ہے' بلکہ وہ اپنے ہاں رائج قراءت کو ہی 'قرأت عامۃ' کہتے ہیں۔

غامدی صاحب کی 'قرأت عامہ' اور اُمت مسلمہ کے مصاحف

غامدی صاحب کے نزدیک قرآن کی صرف ایک ہی قراءت ہے جو کہ مصاحف میں ثبت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''لہٰذا یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قرأت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے۔'' [میزان: ص۳۲]

'ہمارے مصاحف' سے غامدی صاحب کی کیا مراد ہے؟ 'المورد' کے تصدیق شدہ مصاحف یا امت مسلمہ کے مصاحف؟ اگر تو ان کی مراد 'المورد' کے مصاحف ہیں تو پھر تو ہم بھی مانتے ہیں کہ قرآن کی ایک ہی قراءت ہے، لیکن اگر ان کی مراد امت مسلمہ کے مصاحف ہیں تو وہ جس طرح روایت حفص میں ہمارے ممالک میں موجود ہیں اسی طرح روایت قالون، روایت ورش، روایت دوری کے مطابق یہ مصاحف لاکھوں کی تعداد میں متعلقہ ممالک میں باقاعدہ ان ممالک کی حکومتوں کی زیر نگرانی ایسے ہی شائع کیے جاتے ہیں جیسے کہ غامدی صاحب کا 'قرأت عامۃ' کا مصحف۔ اب تو مجمّع الملك فهد نے بھی لاکھوں کی تعداد میں روایتِ دوری، قالون اور ورش کے مطابق مصاحف کو متعلقہ ممالک کے مسلمانوں کے لیے شائع کیا ہے۔ مختلف قراءات کے رسم الخط کے مطابق یہ طبع شدہ مصاحف ہمارے پاس بھی موجود ہیں، لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ جو مصاحف اُمت مسلمہ میں رائج ہیں وہ ایک سے زائد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قراءات پر مشتمل ہیں اور غامدی صاحب کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ ہمارے مصاحف میں ایک ہی قراءت ثبت ہے۔

غامدی صاحب کی 'قرأتِ عامہ' اور اُمت مسلمہ کی روایت حفص

قراءاتِ قرآنیہ کے نقل کرنے میں دس امام ایسے ہیں جنھیں بہت شہرت حاصل ہوئی اور مابعد کے زمانوں میں یہ قراءات انھی ائمہ کے ناموں سے معروف ہوگئیں۔ان ائمہ کے نام درج ذیل ہیں: امام نافع رحمہ اللہ [م ۱۶۹ھ] امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ [م ۱۲۰ھ]، امام ابوعمرو بصری رحمہ اللہ [م ۱۵۴ھ] امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ [م ۱۱۸ھ]، امام عاصم رحمہ اللہ [م ۱۲۷ھ] امام حمزہ رحمہ اللہ [م ۱۸۸ھ] امام کسائی رحمہ اللہ [م ۱۸۹ھ] امام ابوجعفر رحمہ اللہ [م ۱۳۰ھ] رحمہ اللہ امام یعقوب رحمہ اللہ [م ۲۲۵ھ] امام خلف رحمہ اللہ [م ۲۰۵ھ]۔ان ائمہ کی قراءات 'قراءات عشرۃ' کہلاتی ہیں۔ان ائمہ سے ان قراءات کو نقل کرنے والے ان کے سینکڑوں شاگرد ہیں، لیکن ہر امام کی قراءت بعد ازاں اس کے دو شاگردوں سے معروف ہوئی۔ان شاگردوں کی اپنے امام سے نقل قراءت قرآن کی 'روایت' کہلاتی ہے۔پس ہر امام کے دو شاگردوں کے اعتبار سے قرآن کی کل بیس روایات ہوئیں۔ان بیس روایات میں سے چار روایات ایسی ہیں جو اُمت مسلمہ کے مختلف علاقوں میں عوامی سطح پر رائج ہیں، جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، جب کہ باقی سولہ روایات قراء کی ایک بہت بڑی تعداد سے نقل در نقل چلی آ رہی ہیں اور ان تمام قراءات کی اللہ کے رسول ﷺ تک باقاعدہ اسناد موجود ہیں۔

غامدی صاحب ان بیس کی بیس روایات قرآنیہ کے منکر ہیں اور انھیں فتنہ عجم قرار دیتے ہیں، لیکن ان بیس روایات میں سے ایک روایت 'روایتِ حفص' ہے اور 'حفص' امام عاصمؒ کے شاگرد ہیں۔کیا ہی عجب اور حسنِ اتفاق ہے کہ 'روایتِ حفص' لفظ بلفظ وہی ہے جسے غامدی صاحب 'قرأت عامہ' کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اسے قرآن کہتے ہیں۔اب غامدی صاحب اگر اس روایت کا انکار کریں تو اپنی ہی 'قرأت عامہ' کے بھی انکاری ہوں گے اور اگر وہ اس روایت حفص کو مان لیں تو باقی انیس روایات کو ماننے سے انکار کیوں؟

اگر 'قرأتِ عامہ' سے غامدی صاحب کی مراد عوام الناس کی قراءت ہے تو روایت حفص، روایت ورش، روایت قالون اور روایت دوری بھی تو عوام الناس ہی کی قراءات ہیں' ان کو ماننے سے غامدی صاحب کیونکر انکار کر سکتے ہیں؟

غامدی صاحب کے نزدیک قرآن اجماع وقولی تواتر سے ثابت ہوتا ہے' جبکہ قرآن کی مندرجہ بالا روایات اربعہ بلکہ عشرہ اجماع وقولی تواتر دونوں سے ثابت ہیں۔لیکن اس کے باوجود وہ ان روایات کو قرآن ماننے سے انکاری ہیں۔

قراءاتِ متواترہ اور اجماع امت

غامدی صاحب کے نزدیک قراءات متواترہ کے بارے میں مروی وہ تمام روایات جو صحاح ستہ میں موجود ہیں سنداً اور معناً دونوں اعتبارات سے نا قابل قبول ہیں۔سنداً اس لیے کہ ان تمام روایات کی سند میں ابن شہاب زہری ہے، جو آئمہ رجال کے ہاں مدلس ہے اور معناً اس لیے کہ ان احادیث کے معنی ومفہوم کا آج تک تعین نہیں ہو سکا۔

غامدی صاحب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ قرآن کو حدیث کی دلیل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ قرآن اپنے ثبوت کے لیے کسی حدیث کا محتاج نہیں ہے۔غامدی صاحب جس کو 'قرأت عامہ' کہتے ہیں کیا وہ حدیث سے ثابت ہے؟ قرآن کا اجماع اور تواتر کے ساتھ امت میں نقل ہونا ہی اس کے ثبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے، اور 'قراءاتِ عشرہ' تواتر اور اجماع کے ساتھ ثابت ہیں۔مشہور مفسر اور اندلسی عالم ابن عطیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ومضت الاعصار والامصار علی قراء ات الائمة السبعة بل العشرة وبها یصلی لانها تثبت بالاجماع"[المحرر الوجیز لابن عطیه:۱/۹]

''قراءات سبعہ بلکہ عشرہ بھی ہر زمانے اور ہر شہر میں رائج رہی ہیں اور ان کی نماز میں تلاوت کی جاتی رہی ہے، کیونکہ یہ اجماع امت سے ثابت ہیں۔''

آج بھی مدارس و جامعات اِسلامیہ کے ہزاروں طلبہ ان قراءات کو اپنے شیوخ سے نقل کر رہے ہیں۔ان میں سے بعض قراءات تو مغرب و افریقہ کے بلاد اِسلامیہ میں اسی طرح رائج ہیں جس طرح ہمارے ہاں روایت حفص، اور ان قراءات کا تواتر کے ساتھ اُمت میں پڑھا جانا ہی ان کے قرآن ہونے کے ثبوت کے لیے قطعی دلیل ہے۔

سبعہ اَحرف کا مفہوم اور غامدی صاحب کے مغالطے

غامدی صاحب نے سبعة أحرف کی روایات پر اعتراض یہ کیا ہے کہ اس کے معنی و مفہوم کے تعین میں علما کے تقریباً چالیس اقوال نقل کیے گئے ہیں۔غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''اوّل یہ کہ یہ روایت اگرچہ حدیث کی اُمہاتِ کتب میں بیان ہوئی ہے،لیکن اس کا مفہوم ایک ایسا معمہ ہے جسے کوئی شخص اس اُمت کی پوری تاریخ میں کبھی حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی تعیین میں چالیس کے قریب اقوال اپنی کتاب 'الاتقان' میں نقل کیے ہیں۔''[میزان:ص۳۰]

غامدی صاحب نے امام سیوطی رحمہ اللہ کا حوالہ نقل کر دیا ہے،لیکن کاش وہ امام سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب 'الاتقان' کھول کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا کر لیتے۔حقیقت یہ ہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے چالیس نہیں، بلکہ سولہ اَقوال اپنی کتاب میں بیان کیے ہیں،البتہ انہوں نے ابن حبان رحمہ اللہ کے حوالے سے پینتیس اَقوال کا تذکرہ کیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

① زجر،امر،حلال،حرام،محکم،متشابہ،امثال
② حلال،حرام،امر،نہی،زجر،مستقبل کی خبریں،امثال
③ وعد،وعید،حلال،حرام،مواعظ،امثال،احتجاج
④ امر،نہی،بشارت،نذارت،اخبار،امثال
⑤ محکم،متشابہ،ناسخ،منسوخ،خصوص،عموم،قصص
⑥ امر،زجر،ترغیب،ترہیب،جدل،قصص،مثل
⑦ امر،نہی،وجد،علم،سر،ظہر،بطن
⑧ ناسخ،منسوخ،وعد،وعید،رغم،تادیب،انذار
⑨ حلال،حرام،افتتاح،اخبار،فضائل،عقوبات
⑩ اوامر،زواجر،امثال،اُنباء،عتب،وعظ،قصص
⑪ حلال،حرام،امثال،منصوص،قصص،اباحات
⑫ ظہر،بطن،فرض،ندب،خصوص،عموم،امثال
⑬ امر،نہی،وعد،وعید،اباحت،ارشاد،اعتبار
⑭ مقدم،مؤخر،فرائض،حدود،مواعظ،متشابہ،امثال

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑮ مقیس، مجمل، مقتضی، ندب، حتمی، امثال

⑯ امر حتم، امر ندب، نہی حتم، نہی ندب، اخبار، اباحات

⑰ امر فرض، نہی حتم، امر ندب، نہی مرشد، وعد، وعید، قصص

⑱ لفظ خاص مراد خاص، لفظ عام مراد عام، لفظ عام مراد خاص، لفظ خاص مراد عام، وہ لفظ جس کا معنی واضح ہو، وہ لفظ جس کا مفہوم علماء پر ظاہر ہو، وہ لفظ جس کا معنی صرف الراسخون فی العلم کو معلوم ہو۔

⑲ اظہارِ ربوبیت، اثبات وحدانیت، تعظیم الوہیت، التعبد للہ، مجانبۃ الاشراک، ترغیب، ترہیب

⑳ سبع لغات مراد ہیں، جن میں پانچ بنو ہوازن کی جبکہ دو قریش کی ہیں۔

㉑ عرب کے متفرق مشہور قبائل کی سات لغات مراد ہیں۔

㉒ سبع لغات ہیں جن میں چار بنو ھوازن کی جبکہ تین قریش کی ہیں۔

㉓ سات قبائل کی لغات مراد ہیں: قریش، یمن، جرھم، ھوازن، قضاعہ، تمیم، طی

㉔ کعب بن عمرو اور کعب بن لوی کی لغات مراد ہیں جو کہ سات ہیں۔

㉕ ایک ہی معنی ادا کرنے کے لیے عرب کے مختلف قبائل کی لغات مراد ہیں۔

㉖ سات صحابہ کی قراءات مراد ہیں: ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، ابن عباس، ابی ابن کعب

㉗ ہمز، امالہ، فتح، کسر، تفخیم، مد، قصر

㉘ تعریف، مصادر، عروض، غریب، سجع، لغات مختلفہ

㉙ ایک ہی کلمہ جس کو سات طرح سے اعراب دیا جاسکتا ہے۔

㉚ بنیادی حروف تہجی مراد ہیں: الف، با، جیم، دال، را، سین، عین

㉛ سات اسماء مراد ہیں: رب، غفور، رحیم، سمیع، بصیر، علیم، حکیم

㉜ سات قسم کی آیات مراد ہیں: وہ آیات جو صفات ذاتیہ پر مشتمل ہوں، وہ آیات جو کسی دوسری آیت کی تفسیر کر رہی ہوں، وہ آیات جن کی تفسیر سنت میں ہو، انبیاء و رُسل کے قصص پر مشتمل آیات، اشیاء کی تخلیق کے بارے میں آیات، جنت کے اوصاف پر آیات، جہنم کے اوصاف پر آیات۔

㉝ سات قسم کی آیات مراد ہیں: صانع کے اوصاف پر مشتمل آیات، اثبات وحدانیت کی آیات، اثبات صفات کی آیات، اثباتِ رُسل کی آیات، اثبات کتب کی آیات، اثبات اسلام کی آیات، نفیٔ کفر کی آیات

㉞ سات قسم کی صفات ذاتیہ مراد ہیں جن کی کیفیت بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

㉟ ایمان باللہ، شرک سے اجتناب، اوامر کا اثبات، مجانبت زواجر، ثبات علی الایمان، تحریم ما حرم اللہ، اطاعت رسول

ان پینتیس اقوال کو غامدی صاحب نے ایک صحیح متواتر روایت کے انکار کی دلیل بنایا ہے۔ ہم غامدی صاحب سے چند سوالات کرتے ہیں:

❁ پہلا سوال یہ ہے کہ بظاہر پینتیس نظر آنے والے یہ اقوال کیا واقعتاً پینتیس ہی ہیں؟ اگر ہم غور کریں تو یہ درحقیقت سات اقوال ہیں: ایک قول تو یہ ہے کہ 'سبعۃ احرف' سے مراد مضامین قرآن ہیں، پھر اس میں آگے اختلاف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ کون سے مضامین مراد ہیں ۔دوسرا قول یہ ہے کہ سبعہ احرف سے مراد سات لغات ہیں ،پھر آگے اس میں اختلاف ہے کہ کن قبائل کی لغات مراد ہیں ۔تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد صحابہ کی سات قراءات ہیں ۔چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سات حروف تہجی ہیں ۔پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے سات نام ہیں ۔چھٹا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سات قسم کے اعراب ہیں ۔ساتواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد حروف کی ادائیگی کی مختلف کیفیات ہے ۔اسی لیے امام سیوطی رحمہ اللہ نے ان اقوال کے نقل کرنے کے بعد ابن حبان کا قول نقل کیا ہے:

"و هی اقاویل یشبه بعضها بعضا"[الاتقان:۱/۴۹]

''یہ اقوال ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔''

اس کے بعد امام سیوطی رحمہ اللہ نے امام مزنی المرسی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے:

"و قال المرسی هذه الوجوه أكثرها متداخلة"[الاتقان:۱/۴۹]

''مرسی نے کہا ہے کہ یہ اقوال ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں''۔

باہم متشابہ اور متداخل اقوال کو غامدی صاحب نے چالیس اقوال سمجھ لیا اور اس بنا پر 'سبعہ اَحرف' کی متواتر روایت کا انکار کر دیا۔

❁ دوسرا سوال یہ کہ بالفرض ہم مان لیں کہ یہ چالیس اَقوال ہیں، جیسا کہ غامدی صاحب کا کہنا ہے، تو اگر قرآن کی کسی آیت کی تفسیر میں پینتیس یا چالیس اَقوال نقل ہو جائیں تو کیا اس بنیاد پر غامدی صاحب قرآن کی اس آیت کا انکار کر دیں گے کہ اس آیت کے معنی ومفہوم کے تعین میں چالیس قوال نقل ہوئے ہیں؟ چالیس تو چھوڑیے اگر ہم بدعتی فرقوں مثلاً باطنیہ، روافض اور صوفیاء کی تفاسیر کا مطالعہ کریں تو ہمیں ایک ایک آیت کی تفسیر میں ستر ستر اَقوال بھی ملتے ہیں، تو کیا ہم صرف اس بنا پر قرآن کی اس آیت کو ماننے سے ہی انکار کر دیں؟

❁ تیسرا اور سب سے اہم سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ثابت ہوگا کہ یہ پینتیس اقوال مختلف پینتیس علماء کے ہیں؟ بعض اَفراد نے ان اقوال کو اپنی کتابوں میں نقل تو کر ہی دیا ہے لیکن ان کے قائلین کو کوئی آج تک نہ جان سکا۔ جیسا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے امام مزنی المرسی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے:

"وقال المرسی هذه الوجوه أكثرها متداخلة و لا أدری مستندهاو لا عمن نقلت"

''مرسی نے کہا ہے کہ یہ اقوال ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں اور میں نہیں جانتا کہ ان کی سند کیا ہے یا کس سے یہ منقول ہیں؟'' [الاتقان:۱/۴۹]

اِن اقوال کی باہمی مشابہت ومماثلت دیکھنے کے بعد اندازہ یہی ہوتا ہے کہ دو چار نامعلوم اور گمنام افراد نے سبعہ احرف کی تشریح میں مختلف احتمالات پیش کیے تھے، جنہیں بعد والوں نے مستقل اقوال کی حیثیت سے نقل کر دیا۔

ان پینتیس اقوال میں سے اکثر و بیشتر کی تردید خود سبعہ احرف کی روایات سے ہی ہو رہی ہے، کیونکہ اکثر و بیشتر اقوال کا جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ ان اقوال کی رو سے 'سبعۃ احرف' کا تعلق قرآن کے مضامین یا معانی سے ہے جبکہ 'سبعہ احرف' کی اکثر و بیشتر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ 'سبعۃ احرف' کا تعلق الفاظ سے ہے ۔مثلاً حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں آپس میں قراءت کا اختلاف ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ،حضرت ہشام رضی اللہ عنہ ،کو ان کی چادر سے کھینچتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"انی سمعت هذا یقرأ بسورة الفرقان علی حروف لم تقرئنیها فقال رسول ﷺ: «أرسله اقرأ یا هشام» فقرأ علیه القراء ة التی سمعته یقرأ فقال رسول ﷺ: «کذلك أنزلت» ثم قال: «اقرأ یا عمر» فقرأت القراء ة التی اقرأنی فقال رسول ﷺ: « کذلك أنزلت إن هذا القرآن أنزل علی سبعة أحرف فاقرء وا ما تیسر منه»"

[صحیح البخاري، کتاب فضائل القرآن، باب أنزل القرآن علی سبعة أحرف]

''میں نے اس (یعنی ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ) کو سورۂ فرقان اُن حروف کے ساتھ پڑھتے سنا ہے جن حروف کے ساتھ آپؐ نے مجھے یہ سورت نہیں پڑھائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ! اسے چھوڑ دو، اور کہا: ''اے ہشام پڑھو''۔ پس حضرت ہشامؓ نے اس قراءت کے مطابق پڑھا جو میں نے ان سے سنی تھی تو آپؐ نے کہا: ''یہ سورت اسی طرح نازل کی گئی ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے کہا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ اب تم پڑھو'' تو میں نے اس سورت کو اس قراءت کے مطابق پڑھا جس پر آپ ﷺ نے مجھے پڑھایا تھا تو آپ ﷺ نے کہا: ''یہ سورت اسی طرح نازل کی گئی ہے اور قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، پس اس میں سے جو بھی تمہیں آسان لگے اس کے مطابق پڑھ لو۔''

اسی لیے امام سیوطی رحمہ اللہ، امام مزنی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأکثرها معارضة حدیث عمر وهشام ابن حکیم الذی فی الصحیح فإنهما لم یختلفا فی تفسیره ولا أحکامه وإنما اختلفا فی قراء ة حروفه" [الاتقان:۱/۴۹]

''ان میں سے اکثر اَقوال حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے خلاف ہیں جو کہ صحاح میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کا اختلاف قرآن کی تفسیر یا اس کے احکام میں نہ تھا بلکہ ان دونوں حضرات نے قرآن کے حروف کے پڑھنے میں آپس میں اختلاف کیا تھا''۔

جب خود روایت کے الفاظ سے ہی اس کے معنی کے تعین میں وارد شدہ اقوال کی تردید ہو رہی ہو تو اُن اقوال کو اس روایت کی تشریح و توضیح کے ضمن میں پیش کرنا اور ان میں اختلاف کی بنیاد پر روایت ہی کو رد کر دینا کون سی عقل مندی ہے؟

جہاں تک سبعہ احرف کے معنی و مفہوم کے تعین کی بحث ہے تو اس بارے میں علماء کے بنیادی اقوال دو ہی ہیں:

پہلا قول

پہلا قول یہ ہے جو علماء میں امام رازی رحمہ اللہ کے حوالے سے معروف ہوا، کہ سبعہ احرف سے مراد سات وجوہ ہیں جو قراءات کے تمام اختلافات کو محیط ہیں اور وہ وجوہ اختلاف درج ذیل ہیں: اسماء کا اختلاف (یعنی تذکیر و تانیث اور جمع و افراد وغیرہ)، تصریف افعال کا اختلاف (ماضی، مضارع اور امر وغیرہ)، وجوہ اعراب کا اختلاف، نقص و زیادت کا اختلاف، تقدیم و تأخیر کا اختلاف، اختلاف ابدال، اختلاف لغات (یعنی لہجات کا اختلاف)۔ یہی قول امام مالک، قاضی ابو بکر باقلانی، ابن قتیبہ دینوری، علامہ ابن الجزری رحمہم اللہ وغیرہ سے کچھ اختلاف کے ساتھ منقول ہے۔

دوسرا قول

دوسرا قول، جو علماء میں ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے حوالے سے معروف ہوا، وہ یہ کہ سبعہ اَحرف سے مراد مختلف عرب قبائل کی سات لغات ہیں جن میں تھوڑا بہت اختلاف موجود تھا۔ اسی قول کو امام ابو عبید قاسم بن سلام، سفیان بن عیینہ، ابن وھب، احمد بن یحییٰ، امام طحاوی، امام ابو حاتم سجستانی، امام بیہقی، علامہ ابن جوزی، علامہ ابن الاثیر الجزری، ابن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبدالبر اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ وغیرہ نے کچھ اختلاف کے ساتھ اختیار کیا ہے، بلکہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے تو اسے جمہور علماء کا قول قرار دیا ہے۔

ان دونوں اقوال میں بھی قدرِ مشترک یہ ہے کہ ان کے قائلین اس بات پر متفق ہیں کہ 'سبعہ اَحرف' سے مراد قرآن کے الفاظ کو سات طرح سے پڑھنا ہے۔ پہلے قول کے قائلین کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن کو پڑھنے کے سات قسم کے اختلافات ہیں جبکہ دوسرے گروہ کا موقف یہ ہے کہ اس سے مراد سات لغات میں قرآن کو پڑھنا ہے۔

ہم ان دونوں اَقوال میں موجود اختلاف کا انکار نہیں کرتے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ اختلاف، اختلاف تضاد نہیں ہے بلکہ اختلاف تنوع ہے، کیونکہ دونوں گروہوں کے اَقوال کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن کی ایک سے زائد قراءات ہیں جن کے مطابق قرآن کو پڑھنا صحیح ہے، جبکہ غامدی صاحب قرآن کی ایک سے زائد قراءات کو نہیں مانتے۔ ان دو کے علاوہ جتنے بھی اَقوال ہیں ان کی نہ تو کوئی سند ہے، نہ ہی ان کے قائلین کی کسی کو خبر ہے اور نہ ہی وہ کسی قسم کا علمی وزن رکھتے ہیں۔ لہٰذا ایسے اقوال پر بحث کرنا صرف اور صرف وقت کا ضیاع ہے۔

اِمام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ اور غامدی صاحب کے اعتراضات

غامدی صاحب نے سبعہ اَحرف والی روایات کو سنداً ضعیف قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ایسی تمام روایات کی سند میں ایک راوی امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہے جسے وہ مدلس اور مدرج قرار دیتے ہیں۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''لیکن یہ روایتیں اس کے برخلاف ایک دوسری ہی داستان سناتی ہیں جسے نہ قرآن قبول کرتا ہے اور نہ عقل عام ہی کسی طرح ماننے کے لیے تیار ہوسکتی ہے۔ صحاح میں یہ اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں۔ ائمہ رجال انھیں تدلیس اور اِدراج کا مرتکب قرار دیتے ہی ہیں، اس کے ساتھ اگر وہ خصائص بھی پیش نظر رہیں جو امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کے نام اپنے ایک خط میں بیان فرمائے ہیں تو ان کی کوئی روایت بھی، بالخصوص اس طرح کے اہم معاملات میں، قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ وہ (امام لیث بن سعد رحمہ اللہ) لکھتے ہیں: اور ابن شہاب سے جب ہم ملتے تھے تو بہت سے مسائل میں اختلاف ہو جاتا تھا اور ہم میں سے کوئی جب ان سے لکھ کر دریافت کرتا تو علم و عقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق ان کا جواب تین طرح کا ہوا کرتا تھا جن میں سے ہر ایک دوسرے کا نقیض ہوتا اور انھیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ میں نے ایسی ہی چیزوں کی وجہ سے ان کو چھوڑا تھا، جسے تم نے پسند نہیں کیا۔'' [میزان: ص ۳۰، ۳۱]

اب ہم امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ [م ۱۲۵ھ] کے بارے میں ائمۂ جرح و تعدیل، ائمہ محدثین اور ائمۂ فقہاء اور ان کے معاصر علماء کی آراء نقل کرتے ہیں:

◉ امام ابن حجر رحمہ اللہ [م ۸۵۲ھ] کی رائے: علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"الفقيه الحافظ متفق على جلالته و اتقانه' [تقريب: ۲/۲۰۷]

''فقیہ، اور الحافظ، ہیں، ان کی بزرگی اور حافظے کی پختگی پر محدثین کا اتفاق ہے۔''

◉ امام ذہبی رحمہ اللہ [م ۷۴۸ھ] کی رائے امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"محمد بن مسلم الحافظ الحجة" [ميزان الاعتدال: ۴/۴۰]

''محمد بن مسلم الحافظ اور الحجة ہیں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◉ امام ابن حبان رحمہ اللہ [م ۳۵۴ھ] کی رائے: امام ابن حبان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"رأى عشرة من أصحاب رسول الله ﷺ وكان أحفظ أهل زمانه وأحسنهم سياقا لمتون الأخبار وكان فقيها فاضلا" [كتاب الثقات: ۴/۳]

''انھوں نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے اور وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے حدیث کے حافظ اور احادیث کے متون کو بیان کرنے میں سب سے اچھے، فقیہ اور فاضل تھے۔''

◉ امام احمد العجلی رحمہ اللہ [م ۲۵۷ھ] کی رائے: امام احمد العجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"تابعي ثقة" [تاريخ الثقات: ص ۴۱۲] ''تابعی اور ثقہ تھے۔''

◉ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی رائے ابن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"قال عمر بن عبد العزيز عليكم بابن شهاب هذا فانكم لا تتبعون أحدا أعلم بالسنة الماضية منه" [كتاب الجرح و التعديل: ص ۱۲]

''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا ہے تم ابن شہاب رحمہ اللہ کو لازم پکڑو (ان سے استفادہ کرو) کیونکہ گزری ہوئی سنن کے بارے میں ان سے بڑھ کر کوئی جاننے والا نہیں ہے۔''

◉ امام مالک رحمہ اللہ [م ۱۷۹ھ] کی رائے امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"قال ابن القاسم سمعت مالكا يقول بقي ابن شهاب وماله في الدنيا نظير"

''ابن القاسم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے ابن شہابؒ باقی رہ گئے اور ان کی کوئی مثال اس دنیا میں نہیں ہے۔'' [سير أعلام النبلاء: ۱۴۰/۴]

◉ امام احمد رحمہ اللہ [م ۲۴۲ھ] کی رائے:

"أحسن الناس حديثا وأجود الناس إسنادا" [ايضاً: ص ۱۴۱]

''لوگوں میں حدیث کے اعتبار سے سب سے بہتر اور سند کے اعتبار سے سب سے عمدہ ہیں۔''

◉ امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ [م ۲۷۷ھ] کی رائے:

"أثبت أصحاب أنس الزهري" [ايضاً]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سب سے زیادہ ثابت امام زہری رحمہ اللہ ہیں۔''

◉ امام قتادہ رحمہ اللہ [م ۱۰۹ھ] کی رائے:

"ما بقي أحد أعلم بسنة ماضية من ابن شهاب" [ايضاً]

''گزشتہ سنن کے بارے میں ابن شہاب رحمہ اللہ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی بھی باقی نہیں رہا۔''

◉ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کی رائے:

"مابقي عند أحد من العلم ما بقي عند ابن شهاب" [ايضاً]

''کسی ایک کے پاس بھی وہ علم نہیں رہا جو ابن شہاب رحمہ اللہ کے پاس ہے''۔

◉ سعید بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی رائے:

"ما كان الا بحرا" [ايضاً: ص ۱۴۲]

''وہ تو علم کا ایک سمندر ہے۔''

◉ سفیان ثوری رحمہ اللہ [م ۱۶۱ھ] کی رائے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"كان الزهري أعلم أهل المدينة"[ایضاً:ص۱۴۰]

''امام زہری رحمہ اللہ اہل مدینہ میں سب سے بڑے عالم ہیں۔''

◉ عمرو بن دینار رحمہ اللہ [م۱۲۶ھ] کی رائے:

"ما رأيت أحدا أنص للحديث من الزهري"[ایضاً:ص۱۴۰]

''حدیث کی سند بیان کرنے میں زہری رحمہ اللہ سے بڑھ کر میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا۔''

◉ ابوایوب سختیانی رحمہ اللہ [م۱۳۱ھ] کی رائے امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" قال أبو أيوب ما رأيت أعلم منه"[ایضاً:ص۱۱۰]

''ابوایوب رحمہ اللہ نے کہا: میں نے ان سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔''

◉ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ [م۱۷۵ھ] کی رائے:

"كان من أسخى الناس"[تذكرة الحفاظ:۱/۱۰۹]

''وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے۔''

روى أبو صالح عن الليث بن سعد ما رأيت عالما قط أجمع من الزهري[ایضاً:ص۱۰۹]

''ابوصالح امام لیث بن سعد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے زیادہ جامع العلوم کسی عالم کو نہیں دیکھا۔''

◉ امام نسائی رحمہ اللہ [م۳۰۳ھ] کی رائے امام مزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"قال النسائي أحسن أسانيد تروى عن رسول الله أربعة منها: الزهري عن علي بن الحسين عن الحسين بن علي عن علي ابن أبي طالب عن رسول الله ﷺ والزهري عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن ابن عباس عن عمر عن رسول الله ﷺ"[ایضاً:ص۱۱۰]

''امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا کہ سب سے بہتر اسناد جو کہ اللہ کے رسول ﷺ سے مروی ہیں وہ چار ہیں: زہری رحمہ اللہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے وہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور زہری رحمہ اللہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔''

◉ عمرو بن دینار رحمہ اللہ [م۱۲۶ھ] کی رائے:

"قال سفيان بن عيينه عن عمرو بن دينار ما رأيت أنص للحديث من الزهري"

''سفیان بن عیینہ، عمرو بن دینار رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حدیث کی سند بیان کرنے میں زہری رحمہ اللہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔'' [تہذیب الکمال:۶/۵۱۲]

◉ محمد بن سعد رحمہ اللہ اور محدثین کی رائے:

"وقال محمد بن سعد قالوا:وكان الزهري ثقة كثير الحديث والعلم والرواية فقيها جامعا"[ایضاً]

''محمد بن سعدؒ نے کہا محدثین کا کہنا ہے کہ زہری ثقہ راوی ہے اور کثرت سے علم رکھنے والا، احادیث کو جاننے والا اور اَحادیث کو نقل کرنے والا ہے۔''

◉ مکحول رحمہ اللہ [م۱۰۹ھ] کی رائے:

"قال عمرو بن أبي سلمة سمعت سعيد بن عبد العزيز يحدث عن مكحول قال:ما بقي عن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظهرها احد اعلم بسنة ماضية من الزهری" [ایضاً]

''عمرو بن ابی سلمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے سنا' وہ مکحول رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: زمین کی پشت پر گزری ہوئی سنت کے بارے میں زہریؒ سے بڑھ کر کوئی عالم باقی نہیں رہا ہے''۔

◉ ابو بکر الھذلی رحمہ اللہ [م ۱۶۷] کی رائے:

"وقال سفيان بن عيينه قال ابو بكر الهذلي : قد جالست الحسن و ابن سيرين فما رأيت أحدا أعلم منه يعني الزهری" [ایضاً]

''سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابو بکر رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں حسن بصری رحمہ اللہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ کے ساتھ بیٹھا، لیکن میں نے زہری رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔''

◉ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ متوفی ۲۳۲ھ کی رائے:

"قال الدارمی قلت له (یعنی یحیی بن معین)الزهری أحب إليك فی سعيد بن المسيب أو قتادة فقال كلاهما فقلت فهما أحب إليك أو يحيٰی بن سعيد فقال كل ثقة" [ایضاً]

''امام دارمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے کہا کہ زہری رحمہ اللہ آپ کو سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے زیادہ محبوب ہے یا قتادہ رضی اللہ عنہ؟ تو انھوں نے کہا دونوں' تو میں نے پھر کہا کہ وہ دونوں آپ کو زیادہ محبوب ہیں یا یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ' تو یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے کہا: یہ سب ثقہ راوی ہیں''۔

◉ علی بن مدینی رحمہ اللہ [م ۲۳۴ھ] کی رائے:

" قال علی بن المدينی حفظ العلم علی أمة محمد ستة فلأهل مكة عمرو بن دينار ولأهل مدينة ابن شهاب الزهری ....."[تهذيب الكمال:۸۴/۱۲]

''علی بن مدینی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حدیث کا علم اُمت محمد میں چھ افراد نے محفوظ کیا۔ اہل مکہ میں سے عمرو بن دینار رحمہ اللہ نے اور اہل مدینہ میں ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے....''

امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی تعدیل وتوصیف سے اسماء الرجال کی کتب بھری پڑی ہیں۔ غامدی صاحب کو امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں جلیل القدر معاصر و متاخر فقہاء، تابعین اور محدثین کے یہ اقوال تو نظر نہ آئے، اور اگر کچھ نظر آیا تو وہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کا وہ قول جسے ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'اعلام الموقعین' میں نقل کیا ہے۔ اس قول کے بارے میں ہماری رائے درج ذیل نکات پر مشتمل ہے:

❁ پہلا نکتہ

پہلی بات تو یہ ہے کہ 'اعلام الموقعین' اسماء الرجال کی کتاب نہیں ہے۔ ہم غامدی صاحب کو یہ مشورہ دیں گے کہ امام زہری رحمہ اللہ کی شخصیت پر اگر بحث کرنی ہے تو اسماء الرجال کی کتب میں موجود ائمۂ جرح وتعدیل کے اقوال کی روشنی میں کریں۔

❁ دوسرا نکتہ

دوسری بات یہ کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کا وہ خط جس کا غامدی صاحب نے حوالہ دیا ہے' وہ تقریباً تین صفحات پر مشتمل ہے، جبکہ غامدی صاحب نے اس خط میں اپنے کام کی تین چار سطریں اخذ کر لیں، حالانکہ اگر اس پورے خط کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے اتنا لمبا چوڑا جو خط امام مالکؒ کو لکھا ہے اس کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موضوع امام زہری رحمہ اللہ کی شخصیت نہیں ہے بلکہ اس کا موضوع امام لیث بن سعد رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے درمیان ایک مسئلے میں علمی اختلاف ہے اور وہ یہ کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کے نزدیک 'عمل اہل مدینہ' کے خلاف فتویٰ دینا جائز ہے ،جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اس کو ناجائز قرار دیتے تھے ۔اس پر امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کو خط لکھا جس میں مدینہ کے علماء کے باہمی اختلاف اور ان کی آراء کے کمزور پہلوؤں کو اجاگر کیا،ان علمائے مدینہ میں ایک ابن شہاب زہری رحمہ اللہ بھی تھے ۔یہ تو ایک فقہی اختلاف ہے جس کی کچھ عبارت کو جناب غامدی صاحب نے درمیان سے اٹھا لیا اور اسے امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ پر تنقید کے عنوان سے پیش کر دیا حالانکہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کے علم حدیث میں مقام و مرتبہ کو بیان کرتے وقت اسی مبالغے کا اظہار کیا ہے جو کہ تمام علمائے جرح وتعدیل سے منقول ہے ۔امام لیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"وقال أبو صالح عن الليث بن سعد ما رأيت عالما قط أجمع من ابن شهاب ولا أكثر علما منه......"[تهذيب الكمال:۸۴/۱۲]

''ابو صالح' امام لیث بن سعد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے زیادہ جامع العلوم کسی عالم کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے بڑے کسی عالم کو دیکھا ہے.....''

"كتبت من علم محمد بن شهاب الزهري علما كثيرا" [وفيات الأعيان:۱۲۷/۴]

''میں نے امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے علم میں سے بہت کچھ لکھا ہے۔''

تیسرا نکتہ

تیسری بات یہ کہ غامدی صاحب کے بقول امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے یہ اعتراض کیا کہ ایک ہی مسئلے میں بعض اوقات ان کے فتاویٰ جات مختلف ہوتے ہیں ۔ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی مسئلے میں امام مالک رحمہ اللہ ،امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ،امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر فقہاء کی بھی ایک سے زائد آراء منقول ہوتی ہیں، کیونکہ فتویٰ حالات کے مطابق ہوتا ہے۔بعض اَوقات ایک شخص کو دیکھ کر مفتی ایک مسئلے میں ایک فتویٰ دیتا ہے اور بعض اوقات دوسرے شخص کو اس کے حالات کے مطابق بالکل اس کے برعکس فتویٰ دیتا ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک نوجوان کو روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لینے سے روک دیا جبکہ ایک بوڑھے شخص کو اس کی اجازت دے دی۔بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک عالم ایک مسئلے میں ایک فتویٰ دیتا ہے،بعد میں اس کی رائے تبدیل ہو جاتی ہے اور وہ اس کے بالکل برعکس فتویٰ دیتا ہے،جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں معروف ہے کہ ان کی ایک قدیم رائے ہے اور ایک جدید رائے ہے۔

چوتھا نکتہ

چوتھی بات یہ ہے کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ پر جو جرح کی ہے وہ ان کے فتاویٰ جات کے اعتبار سے ہے نہ کہ ان کی حدیث بیان کرنے کے اعتبار سے۔اگر وہ حدیث کے معاملے میں بھی ایسا ہی کرتے کہ کبھی ایک روایت کو کچھ الفاظ کے ساتھ اور کبھی اس کے بالکل برعکس الفاظ کے ساتھ نقل کرتے تو امام لیث رحمہ اللہ اس کا ضرور تذکرہ فرماتے۔جتنی جرح نقل کر کے غامدی صاحب امام زہری رحمہ اللہ کی شخصیت کو متنازعہ بنانا چاہتے ہیں اتنی جرح تو ائمۂ رجال کے ہاں حدیث کے مسئلے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر بھی موجود ہے،لیکن اس جرح کے باوجود امام ابوحنیفہ کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک فقیہ کی حیثیت سب کے نزدیک متفق علیہ اور مسلّم ہے۔ اس لیے امام زہری رحمہ اللہ کے فتاویٰ پر جرح سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ حدیث میں بھی مجروح ہوں۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ 'فلاں شخص محدث نہیں ہے' اور اس دعوے کے ثبوت کے لیے اگر اس کے پاس کوئی دلیل بھی ہو تو وہ یہ کہ 'فلاں شخص فقیہ نہیں ہے'۔

پانچواں نکتہ

پانچویں بات یہ ہے کہ غامدی صاحب نے امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کی جو ایک رائے نقل کی ہے، اگر کسی ایک شخص کی رائے پر ہی کسی کے علمی مقام و مرتبہ کے تعین کا انحصار ہے تو ایسی آراء تو ہر فقیہ اور محدث کی ذات یا اس کی کتب کے بارے میں موجود ہیں' تو کیا ایسی ایک شاذ رائے کی وجہ سے ان کے تمام علمی کام اور مرتبے کا انکار کر دیا جائے گا؟

امام زہری رحمہ اللہ اور تدلیس

جناب غامدی صاحب نے امام زہری رحمہ اللہ کی روایات قبول نہ کرنے کی جو تین وجوہات بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تدلیس کرتے ہیں۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''صحاح میں یہ اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں۔ ائمہ رجال انھیں تدلیس اور ادراج کا مرتکب تو قرار دیتے ہی ہیں، اس کے ساتھ اگر وہ خصائص بھی پیش نظر رہیں جو امام لیث بن سعد نے امام مالک کے نام اپنے ایک خط میں بیان فرمائے ہیں تو ان کی کوئی روایت بھی' بالخصوص اس طرح کے اہم معاملات میں' قابل قبول نہیں ہو سکتی''۔

[میزان: ص ۳۱]

غامدی صاحب جن ائمہ رجال پر اعتماد کرتے ہوئے امام زہری رحمہ اللہ کو تدلیس اور اِدراج کا مرتکب قرار دے رہے ہیں وہی ائمہ رجال امام زہری رحمہ اللہ کی روایات کو قبول کرتے ہیں۔ صحاحِ ستہ کے مؤلفین نے امام زہری رحمہ اللہ سے روایات لی ہیں اور ائمہ جرح وتعدیل نے ان پر صحیح کا حکم بھی لگایا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ محدثین ورجال کے نزدیک امام زہری رحمہ اللہ کی روایات مردود نہیں بلکہ مقبول ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ کی 'سبعہ اَحرف' کی جس روایت پر جاوید احمد غامدی صاحب تنقید کر رہے ہیں اور اس کو مردود قرار دے رہے ہیں، وہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ جس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ علم حدیث میں غامدی صاحب کا مقام و مرتبہ کیا ہے یا ان کی خدمات کیا ہیں جس کی بنیاد پر وہ صحیح بخاری کی روایات کو مردود کہہ رہے ہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ کہہ رہے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے اور ان کی رائے کو قبول کیا جائے تو بات سمجھ میں بھی آتی ہے' کیونکہ وہ حدیث کے امام ہیں۔ اسی طرح اگر امام دارقطنی رحمہ اللہ صحیح بخاری کی روایات پر تنقید کریں تو بات سمجھ میں بھی آتی ہے' کیونکہ وہ اس کے اہل بھی ہیں اور فنِ حدیث اور اس کی اصطلاحات کی روشنی میں ہی روایات پر بحث کرتے ہیں' لیکن غامدی صاحب جیسے محقق اگر صحیح بخاری کی روایات کو مردود کہنے لگ جائیں تو علم دین کا اللہ ہی حافظ ہے، کیونکہ نہ تو وہ فن حدیث اور اس کی اِصطلاحات سے کما حقہ واقف ہیں اور نہ ہی وہ اس کے طے شدہ اُصولوں کی روشنی میں اَحادیث کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند مزید پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- پہلی بات تو یہ ہے کہ صرف تدلیس کوئی ایسا عیب نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے کسی راوی کی روایات کو مردود قرار دیا جائے۔امام ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أن التدليس ليس كذبا وانما هو ضرب من الايهام بلفظ محتمل"[مقدمه ابن الصلاح:۱۴/۱]

''تدلیس جھوٹ نہیں ہے، یہ تو محتمل الفاظ کے ساتھ ابہام کی ایک قسم ہے۔''

- دوسری بات یہ ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ کی تدلیس وہ تدلیس نہیں ہے جس معنی میں متاخرین اس کو تدلیس کہتے ہیں، بلکہ وہ ارسال کی ہی ایک قسم ہے جس کو بعض متقدمین نے تدلیس کہہ دیا۔شیخ ناصر بن احمد الفہد لکھتے ہیں:

"لم أجد أحداً من المتقدمين وصفه بالتدليس غير أن ابن حجر ذكر أن الشافعي والدارقطني وصفاه بذلك والذي يظهر أنهما أرادا الارسال لا التدليس بمعناه الخاص عند المتأخرين أو أنهم أرادوا مطلق الوصف بالتدليس غير القادح ..... وهو من أهل المدينة و التدليس لا يعرف في المدينة"[منهج المتقدمين في التدليس:ص۶۰،۶۱]

''میں نے متقدمین میں سے کسی ایک کو بھی نہیں پایا جس نے امام زہری رحمہ اللہ کو تدلیس سے متصف کیا ہو،صرف ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ان کو تدلیس سے متصف کیا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ ارسال کے مرتکب تھے نہ کہ اس معنی میں تدلیس کے کہ جس معنی میں یہ متاخرین میں معروف ہے یا ان کا مقصد امام زہری رحمہ اللہ کو مطلقاً ایسی تدلیس سے متصف کرنا تھا جو کہ عیب دار نہ ہو...امام زہری رحمہ اللہ اہل مدینہ میں سے ہیں اور اہل مدینہ میں تدلیس معروف نہ تھی۔''

- تیسری بات یہ کہ امام زہری رحمہ اللہ سے تدلیس شاذ و نادر ہی ثابت ہے۔امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"كان يدلس في النادر"[ميزان الاعتدال:۴۶/۴]

''وہ شاذ و نادر ہی تدلیس کرتے تھے''۔

باقی ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ امام زہری رحمہ اللہ تدلیس میں مشہور تھے، صحیح نہیں ہے، کیونکہ متقدمین میں سے کسی نے بھی یہ بات نہیں کی۔شیخ ناصر بن حمد الفہد لکھتے ہیں:

"و يعسر اثبات تدليس الزهري (التدليس الخاص) فضلا عن أن يشتهر به"

[منهج المتقدمين في التدليس:ص۶۲]

''امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں تدلیس (تدلیس خاص) کو ثابت کرنا ہی مشکل ہے چہ جائیکہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ وہ تدلیس میں مشہور تھے''۔

امام صنعانی رحمہ اللہ نے بھی ابن حجر رحمہ اللہ پر یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ انھوں نے امام زہری رحمہ اللہ کا شمار مدلسین کے تیسرے طبقے میں کیوں کیا ہے؟امام صنعانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فما كان يحسن أن يعده الحافظ ابن حجر في هذه الطبقة بعد قوله أنه اتفق على جلالته و اتقانه"[توضيح الأفكار:۳۶۵/۱]

''یہ بات اچھی نہیں ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کو تیسرے طبقے میں شمار کیا، جبکہ خود ابن حجر کا امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں یہ قول موجود ہے کہ ان کے علمی مقام اور حافظے کی پختگی پر محدثین کا اتفاق ہے۔''

- چوتھی بات یہ کہ امام زہری رحمہ اللہ کی وہ روایات جن میں سماع کی تصریح موجود ہے، وہ تو قابل قبول ہیں، اس کے علاوہ ان کی وہ روایات بھی مقبول ہیں جو کہ 'عنعنہ' کے ساتھ ہوں۔ابراہیم بن محمد العجمی فرماتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"و قد قبل الأئمة قوله عن" [التبيين لأسماء المدلسين:ص٩]

''اور ائمہ محدثین نے ان کی 'عن' کے ساتھ روایات کو قبول کیا ہے۔''

امام بخاری اور امام مسلم نے ان کی 'عن' کے صیغہ کے ساتھ روایات کو قبول کیا ہے۔ شیخ ناصر ابن احمد الفهد لکھتے ہیں:

"وأما رد حديثه الا عند ذكر السماع فلا أظنك تجد ذلك عند أحد من الأئمة المتقدمين"

[منهج المتقدمين فى التدليس:ص٦٠،٦١]

''اور جہاں تک اس بات کا معاملہ ہے کہ صراحت کے ساتھ سماع کے علاوہ ان (یعنی امام زہری رحمہ اللہ) کی روایت قبول نہ کی جائے' تو میرا نہیں خیال کہ ائمہ متقدمین میں سے کسی کا یہ موقف رہا ہو''

امام زہری رحمہ اللہ اور اِدراج

غامدی صاحب نے امام زہری رحمہ اللہ پر ادراج کا الزام بھی لگایا ہے' لیکن انہوں نے یہ واضح نہیں کیا کہ وہ کس قسم کے ادراج کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ کسی حدیث کے متن میں اپنی طرف سے جان بوجھ کر کچھ اضافہ کر دینا حرام ہے، لیکن ادراج کی ایک قسم وہ بھی ہے جو کہ جائز ہے، اور وہ یہ کہ کوئی راوی اَحادیث کے غریب الفاظ کی تشریح میں کچھ الفاظ اس طرح بیان کرے کہ وہ حدیث کا حصہ معلوم ہوں ۔ امام زہری رحمہ اللہ کے ادراج کی نوعیت بھی یہی ہے، جیسا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ کی درج ذیل عبارت سے واضح ہو رہا ہے ۔امام سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وعندى ما أدرج لتفسير غريب لا يمنع ولذلك فعله الزهرى وغير واحد من الأئمة"

''اور میرے نزدیک کسی غریب الفاظ کی تشریح کے لیے جو ادراج کیا جائے تو وہ ممنوع نہیں ہے جیسا کہ امام زہری رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ حدیث سے مروی ہے۔'' [تدريب الراوى:٢٣١/١]

غامدی صاحب جس تدلیس اور ادراج کی بنیاد پر امام زہری رحمہ اللہ 'کو مجروح قرار دے رہے ہیں وہ تدلیس اور ادراج تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ سے، جیسا کہ امام سیوطیؒ نے 'تدریب الراوی' میں اور امام صنعانی رحمہ اللہ نے 'توضیح الأفکار' میں اس کی مثالیں بیان کی ہیں، تو کیا اس بنیاد پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات کو مردود کہیں گے؟ واقعہ یہ ہے کہ غامدی صاحب کی آراء کا علمی جائزہ لینے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف 'تدلیس' اور' ادراج' جیسی اصطلاحات کا نام سنا ہوا ہے، جہاں تک ان اِصطلاحات کی مفصل اور عمیق ابحاث کا تعلق ہے، وہ اس کے لیے وقت نہیں نکال پائے، اسی لیے وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایسی متفق علیہ روایت کو مردود کہنے کی جرات کر رہے ہیں جو کہ جملہ محدثین اور ائمہ رجال کے نزدیک صحیح ہیں۔

امام زہری رحمہ اللہ کے علاوہ ثقہ رواۃ سے سبعہ اَحرف کی روایات

غامدی صاحب نے سبعہ اَحرف کی روایات کا اس بنا پر انکار کیا ہے کہ ان روایات کا مرکزی راوی امام زہری رحمہ اللہ ہے جس کی روایات ان کے نزدیک مردود ہیں۔ اگر ہم غامدی صاحب کو یہی روایات امام زہری رحمہ اللہ کے طریق کے علاوہ کسی اور ثقہ راوی کے طریق سے پیش کر دیں تو کیا وہ ان روایات کو مان لیں گے؟ ذیل میں ہم امام زہری رحمہ اللہ کے طریق کے علاوہ بعض دوسرے طرق سے چند صحیح روایات بطور مثال ایک سے زائد قراءات کے اثبات کے لیے تحریر کر دیتے ہیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حدثنا أبو الوليد حدثنا شعبة قال عبد الملك بن مسيرة أخبرني قال سمعت نزال بن سبرة قال سمعت عبد الله يقول"[صحيح البخاري،كتاب الخصومات،باب ما يذكر في الأشخاص والخصومة]

سنن نسائی کی ایک روایت ہے:

"أخبرني يعقوب بن ابراهيم قال حدثنا يحيى عن حميد عن أنس عن أبي بن كعب قال"

[سنن النسائي،كتاب الافتتاح،باب جامع ما في القرآن]

اسی طرح سنن نسائی کی ایک اور روایت ہے:

أخبرني عمرو بن منصور قال حدثنا أبو جعفر بن نفيل قال قرأت على معقل بن عبيد الله عن عكرمة بن خالدعن سعيد بن جبير عن ابن عباس عن أبي بن كعب قال . [ایضاً]

اسی طرح کی بیسیوں روایات ایسی ہیں جن سے قرآن کی ایک سے زائد قراءات کا اثبات ہوتا ہے اور ان کی سند میں امام زہری رحمہ اللہ موجود نہیں ہیں۔ غامدی صاحب نے اپنی کتاب میں ان روایات پر کوئی تبصرہ نہیں فرمایا۔ کیا یہ روایات بھی ان کے نزدیک مردود ہیں؟ اگر ہیں تو کن اُصولوں کی روشنی میں؟ اگر غامدی صاحب نے 'سبعہ اَحرف' کی روایات پر بحث کرنی ہے تو پھر ایک سے زائد قراءات کے اثبات میں مروی ان تمام روایات کا بھی جواب دیں جن کی سند میں امام زہری رحمہ اللہ موجود نہیں ہیں۔

غامدی صاحب کی 'قرأت عامہ' کی دلیل کا ایک جائزہ

غامدی صاحب نے اپنی 'قرأت عامہ' کی دلیل کے طور پر معروف تابعی اَبوعبدالرحمٰن السلمی [م ۷۰ھ] کا ایک قول نقل کیا ہے، جس کو امام زرکشی رحمہ اللہ [م ۷۹۴ھ] نے اپنی کتاب البرہان میں بیان کیا ہے۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کی روایت ہے: ''ابوبکر و عمر، عثمان، زید بن ثابت اور تمام مہاجرین و انصار کی قرأت ایک ہی تھی۔ وہ قرأت عامہ کے مطابق قرآن پڑھتے تھے۔ یہ وہی قرأت ہے جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی وفات کے سال جبریل امین کو قرآن سنایا۔ عرضہ اَخیرہ کی اس قرأت میں زید بن ثابت بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے تھے۔'' [میزان: ص ۲۸، مطبوعہ ۲۰۰۲ء]

غامدی صاحب قرآن کو ثابت کرنے چلے ہیں اور اس کے ثبوت کی دلیل کے طور پر ان کے پاس اگر کچھ ہے تو وہ ایک تابعی کا قول ہے کہ جس کی کوئی سند بھی موجود نہیں ہے۔ امام زرکشی رحمہ اللہ نے 'البرہان' میں اس قول کی کوئی سند بیان نہیں فرمائی ہے۔ اگر تو ایک تابعی کا یہ قول ایک سے زائد قراءات کے انکار پر مبنی ہے جیسا کہ غامدی صاحب کا گمان ہے تو تابعی کے ایک ایسے قول کو، کہ جس کی سند بھی موجود نہ ہو، صحاح ستہ کی قراءات متواترہ کے ثبوت میں موجود صحیح، مستند، مرفوع اور اُمت میں معروف و مقبول روایات پر ترجیح دینا، ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

امام قراءت، امام اَبوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ کی طرف اس قول کی نسبت کو درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر بھی اس کا معنی و مفہوم وہ نہیں ہے جو کہ غامدی صاحب سمجھ رہے ہیں۔ امام زرکشی رحمہ اللہ نے جب اس قول کو اپنی کتاب 'البرہان' میں بیان کیا ہے تو انہیں تو وہ بات سمجھ میں نہ آئی جو کہ غامدی صاحب اس قول سے نکال رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض روایات میں 'قراءت عامہ' کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفاظ ہیں:

عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قرأ 'فهل من مدّكر' مثل القرء ة العامة [صحيح البخاري، كتاب الأنبياء]

''عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فهل من مدّكر کو قراءت عامہ کے مطابق پڑھا ہے۔''

جامعہ دمشق کے استاذ الحدیث ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا، اس روایت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"قراء ة العامة أی القراء ة المشهورة التی يقرأ بها عامة القراء الذين رووا القراء ات المتواترة" [صحيح البخاري: ۱۲۱۶/۳، دار ابن كثير اليمامة، بيروت]

''قراءت عامہ سے مراد وہ مشہور قراءت ہے کہ جس کے مطابق ان عام قراء نے، کہ جنہوں نے قراءات متواترہ کو نقل کیا ہے، قرآن کو پڑھا ہے۔''

پس اہل سنت کے نزدیک 'قراءت عامہ' سے مراد بھی معروف و متواتر قراءت ہی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کے زمانے میں بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ 'فهل من مدكر' میں 'مدّكر' کو اہل عرب کے استعمالات کی رعایت رکھتے ہوئے 'مذكر' پڑھنا چاہیے، کیونکہ اس لفظ کا مادہ بھی 'ذکر' ہی ہے، لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں دو اساسی باتوں کو واضح کیا ہے ایک تو یہ کہ قرآن کی قراءت میں اصل، اللہ کے رسول ﷺ سے اس کا سماع ہے نہ کہ عرب کا محاورہ، دوسری بات انہوں نے یہ بیان کی کہ مسلمانوں نے جن طرق سے قرآن اللہ کے رسول ﷺ سے حاصل کیا ہے، ان سب میں یہ لفظ 'مدكر' ہی پڑھا گیا ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ قراءات عشرہ متواترہ کے دس ائمہ نے بھی اسے 'مدكر' ہی پڑھا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے 'فهل من مدكر' کی قراءت کو واضح کرنے کے لیے 'کتاب التفسیر' میں چار ابواب باندھے ہیں، جن میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی چھ احادیث بیان کی ہیں، انہی میں سے ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ سے یہ سوال بھی ہوا تھا کہ اس لفظ کو 'مذكر' پڑھنا چاہیے یا 'مدكر'؟

پس اہل سنت کے نزدیک 'قراءت عامہ' سے مراد وہ قراءت ہے' جو قراءت شاذہ نہیں ہے یعنی قراءات متواترہ۔ 'قراءات شاذہ کے بالمقابل 'قراءت عامہ' ایک ہی ہے لیکن اپنی اصل کے اعتبار سے یہ کئی ایک روایات پر مبنی ہے۔

علاوہ ازیں امام ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ سے صحیح اور متصل سند کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے امام عاصم کو جو قراءت پڑھائی تھی وہ دو روایتوں، روایت حفص اور روایت شعبہ پر مشتمل تھی۔ جبکہ غامدی صاحب کی قراءت عامہ صرف روایت حفص کو شامل ہے۔ پس امام ابو عبد الرحمٰن السلمی سے صحیح اور متصل سند کے ساتھ روایت شعبہ کا ثبوت اس بات کی دلیل کے طور پر کافی ہے کہ امام صاحب کی قراءت عامہ صرف روایت حفص پر مشتمل نہ تھی۔ اس رسالہ کے بعض دوسرے مضامین میں ان اَسناد کے بارے میں تفصیلاً بحث موجود ہے۔

غامدی صاحب اور امام سیوطی رحمہ اللہ کا قول

غامدی صاحب نے اپنے نظریہ قراءت میں بعض ائمہ سلف کے اَقوال سے جو اِستفادہ کیا ہے تو اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے عربی میں کہا جاتا ہے: 'كلمة حق أريد به الباطل' یعنی بات درست ہے، لیکن اس کا جو مفہوم لیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے وہ باطل ہے یا اس قول کا قائل اپنے اس قول سے وہ مفہوم نکالنے پر راضی نہیں ہے۔ غامدی صاحب نے امام سیوطی کے ایک قول سے بھی وہ مفہوم نکالنے کی کوشش کی ہے جس پر امام سیوطی رحمہ اللہ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا۔ غامدی صاحب قراءات کا انکار اس وجہ سے بھی کرتے ہیں کہ قراءات کے ثبوت میں مروی روایت میں سبعہ اَحرف کا مفہوم متشابہات میں سے ہے۔ پس جب دلیل ہی متشابہات میں سے ہے تو وہ دلیل کیسے بن سکتی ہے؟ غامدی صاحب سبعہ اَحرف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اِمام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی تعیین میں چالیس کے قریب اقوال اپنی کتاب 'الاتقان' میں نقل کیے ہیں' پھر ان میں سے ہر ایک کی کمزوری کا احساس کر کے موطأ کی شرح 'تنویر الحوالك' میں بالآخر اعتراف کر لیا ہے کہ اسے من جملہ متشابہات ماننا چاہیے جن کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ لکھتے ہیں: میرے نزدیک سب سے بہتر رائے اس معاملے میں انہی لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ روایت ان امور متشابہات میں سے ہے جن کی حقیقت کسی طرح سمجھی نہیں جا سکتی۔'' [میزان: ص ۳۰، مطبوعہ ۲۰۰۲ء]

امام سیوطی رحمہ اللہ کے بیان کردہ چالیس اقوال کی حقیقت کیا ہے وہ تو ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ غامدی صاحب نے 'الاتقان' کھول کر بھی نہیں دیکھی ورنہ وہ ان اقوال کی صحیح تعداد ہی نقل کر دیتے جو امام سیوطی رحمہ اللہ نے بیان کیے ہیں۔

اِمام سیوطی رحمہ اللہ کیا قراءات کو نہیں مانتے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ وہ قراءات عشرہ کے قائل ہیں۔ ان کی 'الاتقان' اٹھا کر دیکھ لیں تو قراءات کے بارے میں ان کا موقف واضح ہو جائے گا۔ غامدی صاحب کے علم میں اضافہ کے لیے ہم ذکر کیے دیتے ہیں کہ امام سیوطی رحمہ اللہ تو درکنار ہمارا دعوی یہ ہے کہ سلف وخلف میں سے قراءات کا انکار کسی امام نے نہیں کیا اور نہ متنوع قراءات قرآنیہ کو ماننے میں انہیں کوئی شبہ ہے، اختلاف صرف سبعہ احرف کی تعیین میں ہے، جسے غامدی صاحب نے کم فہمی سے متنوع قراءات کو نہ ماننے کی بنیاد کے طور پر پیش کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سبعہ احرف کے مفہوم کے ضمن میں پیش کردہ تمام اقوال کے قائلین کے درمیان ایک شے بہرحال قدر مشترک ہے کہ وہ تمام قرآن کریم میں پڑھنے کے متعدد اسالیب کے قائل ہیں۔

اب آتے ہیں امام سیوطی رحمہ اللہ کے قول سے غامدی صاحب کے استدلال کی طرف، تو غامدی صاحب! جن کو بنیاد بنا کر آپ انکار قراءات کا موقف اپنائے ہوئے ہیں وہ تو قراءات پر کئی کتب کے مؤلف ہیں، جن کی فہرست زیر نظر شمارہ کے حصہ دوم میں ''مختلف زمانوں میں قراءات پر لکھی گئی کتب..... ایک جائزہ'' کے زیر عنوان لکھے گئے مضمون میں دیکھ سکتے ہیں۔ قراءات قرآنیہ متواترہ میں اہل فن کے ہاں سب سے مشہور کتاب امام شاطبی رحمہ اللہ کی حرز الامانی ووجه التهانی المعروف بالشاطبیه ہے، امام سیوطی رحمہ اللہ کی شرح شاطبیہ مکتبہ کلیہ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ میں ریاض یونیورسٹی، سعودیہ کے ایک پروفیسر کی تحقیق سے مطبوع ہے۔ غامدی صاحب اگر چاہیں تو اس کتاب کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے 'الأتقان' ہی میں محکم و متشابہ کی تین قسمیں بیان کی ہیں جن میں ایک قسم وہ ہے جو من وجہ محکم ہو اور من وجہ متشابہ ہو۔ پس یہ حدیث بھی اس قسم میں سے ہے۔

اس حدیث کا یہ معنی تو محکم اور سب اَئمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ یہ حدیث قرآن کو پڑھنے کے اختلافات کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں مروی ہے۔ کیا اس حدیث کے مطالعے کے بعد کسی صاحب عقل کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حدیث قرآن کی بجائے نماز، روزے یا حج کے مسائل کے بارے میں منقول ہے یا کسی معروف عالم دین نے یہ خیال پیش کیا ہے کہ یہ حدیث قرآن کے پڑھنے کی بجائے اس کے معنی ومفہوم کی متنوع اقسام کو بیان کر رہی ہے؟۔ پس اس حدیث کا یہ معنی تو محکم ہے کہ یہ حدیث قرآن کے بارے میں ہے اور قرآن کے بھی پڑھنے کے اختلافات کے بارے میں مروی ہے، لیکن وہ اختلافات کس طرح سات کے عدد میں سمو جاتے ہیں؟ اس میں ائمہ کے مابین اختلاف ہے اور حدیث کے معنی کے اس پہلو کے اعتبار سے امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کو متشابہ قرار دیا ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ پڑھنے کے اختلافات یعنی عشرہ قراءات سے بھی واقف ہیں اور ان کو مانتے بھی ہیں، لیکن قراءات کے ان جمیع اختلافات کو، جنھیں قراء عشرہ قراءات میں نقل کر رہے ہیں، حدیث کے الفاظ 'سبعہ اَحرف' میں کیسے سمو دیں یہ ابھی تک واضح نہیں ہو سکا ہے۔ پس اس اعتبار سے امام سیوطی رحمہ اللہ نے سبعہ اَحرف کو متشابہ کہا ہے۔

کیا امام سیوطی رحمہ اللہ جب قرآن کی کسی آیت کو متشابہ قرار دیتے ہیں تو ان کے نزدیک اس آیت کا وجود ہی مشتبہ قرار پاتا ہے؟ یقیناً ایسا کسی کے ہاں بھی نہیں ہے۔ پس امام سیوطی رحمہ اللہ جب اس حدیث کو متشابہ قرار دے رہے ہیں تو وہ اس کو معنوی اعتبار سے ایک پہلو سے متشابہ کہہ رہے ہیں نہ کہ اس حدیث کی استنادی حیثیت یا وجود ہی کو مشکوک سمجھ رہے ہیں جیسا کہ غامدی صاحب کا خیال ہے۔ پس امام سیوطی رحمہ اللہ کے اس کو من وجہ متشابہ قرار دینے سے اس حدیث کی صحت پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا۔

اگر امام سیوطی رحمہ اللہ قرآن کی کسی آیت کو متشابہ قرار دیں تو بعد میں آنے والے علماء کے لیے یہ گنجائش باقی رہتی ہے کہ وہ تحقیق وتنقیح کے رستے سے اس آیت کا تشابہ دور کر دیں۔ پس اسی طرح اس حدیث کے بارے میں پائے جانے والے اَقوال کی کثرت کی حقیقت اور علمی بنیادوں کی طرف ہم نے بھی کچھ اِشارے کیے ہیں اور ہمارے علاوہ علماء کی ایک جماعت نے بھی اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جو اس حدیث کے بارے میں امام سیوطی رحمہ اللہ کو پیدا ہونے والے من وجہ تشابہ سے بھی ہمیں نجات دلاتی ہیں۔

غامدی صاحب کا اپنے اُصولوں سے انحراف

غامدی صاحب نے اپنی تحقیقات میں بہت سی ایسی اَحادیث سے استدلال کیا ہے جن کے مرکزی راوی امام زہری رحمہ اللہ ہیں۔ ان اَحادیث میں سے دو کو بطورِ مثال ہم یہاں بیان کیے دیتے ہیں:

① غامدی صاحب اپنی کتاب 'میزان' میں اسلام کے شورائی نظام کے اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اوّلاً' یہ اُصول قائم کیا گیا کہ مسلمان اپنے معتمد لیڈروں کی وساطت سے شریکِ مشورہ ہوں گے۔ بخاری میں ہے:

أن رسول الله ﷺ قال حين أذن لهم المسلمون فى عتق سبى هوازن فقال: إنى لا أدرى من اذن فيكم ممن لم يأذن فارجعوا حتى يرفع إلينا عرفاء كم أمركم۔ [رقم:٦٧٦٧]

''مسلمانوں نے حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق جب ہوازن کے قیدی رہا کرنے کی اجازت دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نہیں جان سکا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی۔ پس تم جاؤ اور اپنے لیڈروں کو بھیجو تا کہ وہ تمہاری رائے سے ہمیں آگاہ کریں۔'' [میزان: ص۱۱۸، ۱۱۹]

غامدی صاحب نے اپنی کتاب 'میزان' میں مذکورہ بالا روایات بیان کرنے کے بعد اس کا جو حوالہ دیا ہے وہ امام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری رحمہ اللہ نے اس سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

"حدثنا إسماعيل بن أبي أويس حدثني إسماعيل بن إبراهيم عن عمه موسى بن عقبه قال ابن شهاب حدثني عروة بن الزبير أن مروان بن الحكم والمسور بن مخرمة أخبراه أن رسول الله ﷺ قال" [صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب العرفاء للناس]

اس حدیث کی سند میں بھی وہی راوی موجود ہے جس کی روایات کو غامدی صاحب مردود قرار دے چکے ہیں۔ غامدی صاحب کا معاملہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کا رد کرنے کے لیے اُصول تو بنا لیتے ہیں، لیکن جب اپنا فکر و فلسفہ بیان کرتے ہیں تو بھول جاتے ہیں کہ وہ اپنے ہی وضع کردہ اُصولوں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اس حدیث کے اور طرق بھی موجود ہیں، لیکن اُنمیں بھی ابن شہاب رحمہ اللہ موجود ہیں، گویا اس روایت کا انحصار ابن شہاب رحمہ اللہ پر ہی ہے۔

② اس سلسلے کی دوسری روایت وہ ہے جسے غامدی صاحب نے اسلام کے شورائی نظام کے دوسرے اصول کی وضاحت میں بیان کیا ہے۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''ثانیاً' یہ روایت قائم کی گئی کہ امامت و سیاست کا منصب ریاست میں موجود مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں سے اس گروہ کا استحقاق قرار پائے گا جسے عام مسلمانوں کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہو... انھوں (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

فلا يغترن امرؤ أن يقول: إنما كانت بيعة أبي بكر فلتة وتمت 'الا' وإنها قد كانت كذلك و لكن الله وقى شرها وليس فيكم من تقطع الأعناق إليه مثل أبي بكر من بايع رجلا من غير مشورة المسلمين فلا يبايع هو ولا الذى بايعه تغرة أن يقتلا"

[ميزان: ص ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۵، صحيح البخاري: ۶۸۳۰]

''تم میں سے کوئی شخص اس بات سے دھوکا نہ کھائے کہ ابوبکر کی بیعت اچانک ہوئی اور لوگوں نے اسے قبول کر لیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان کی بیعت اسی طرح ہوئی، لیکن اللہ نے اہل ایمان کو اس کے کسی برے نتیجے سے محفوظ رکھا اور یاد رکھو، تمہارے اندر اب کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح جس کے سامنے گردنیں جھک جائیں۔ لہٰذا جس شخص نے اہل ایمان کی رائے کے بغیر کسی کی بیعت کی اس کی اور اس سے بیعت لینے والے دونوں کی بیعت نہ کی جائے۔ اس لیے کہ اپنے اس اقدام سے وہ گویا اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کریں گے۔''

غامدی صاحب کی بیان کردہ اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے درج ذیل سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

"حدثنا عبد العزيز بن عبد الله حدثني إبراهيم بن سعد عن صالح عن ابن شهاب عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبه بن مسعود عن ابن عباس قال"

[صحيح البخاري، كتاب الحدود، باب رجم الحبلى من الزنا]

اس روایت کے بھی مرکزی راوی امام زہری ہیں جو کہ 'مدلس' اور 'مدرج' ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ 'عنعنہ' سے روایت کر رہے ہیں، لیکن اسکے باوجود غامدی صاحب ان کی روایت کو قبول کر رہے ہیں، آخر کس بنیاد پر؟

دلچسپ بات یہ ہے کہ غامدی صاحب کی کتاب 'میزان' کا کوئی ایک بھی باب ایسا نہیں ہے جس میں غامدی صاحب نے امام زہری رحمہ اللہ کی روایات سے استدلال نہ کیا ہو۔ غامدی صاحب کی کتاب 'میزان'، مطبوعہ ۲۰۰۲ء، درج ذیل آٹھ اَبواب پر مشتمل ہے:

① **قانون سیاست:** اسلام کے شورائی نظام کے اصول و مبادی بیان کرتے ہوئے اس باب میں غامدی صاحب نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام زہری رحمہ اللہ کی روایات سے استدلال کیا ہے۔ مثلاً ملاحظہ فرمائیں میزان: ص۱۲۴، بخاری: ۶۸۳۰، میزان: ص۱۱۸، بخاری: ۲۱۷۶

④ **قانون معیشت:** اسلامی شریعت میں بیع کی ناجائز اقسام کا تعارف کرواتے ہوئے اس باب میں غامدی صاحب نے امام زہری رحمہ اللہ کی درج ذیل روایات سے استدلال کیا ہے۔ میزان: ص۱۴۷، صحیح بخاری: ۲۱۳۱ اور صحیح بخاری: ۲۱۴۰ ملاحظہ ہو۔ علاوہ ازیں ص۱۷۱، صحیح بخاری: ۶۴۶۷ بھی دیکھیں۔

③ **قانونِ دعوت:** اس باب میں غامدی صاحب نے چند ایک دعوتی اُصول بیان کرتے ہوئے امام زہری رحمہ اللہ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان: ص۲۲۴، صحیح بخاری: ۲۲۰

④ **قانون جہاد:** غامدی صاحب نے اس باب میں قتال کا اجر وثواب بیان کرتے ہوئے امام زہری رحمہ اللہ کی درج ذیل روایت سے استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان: ص۲۵۴، صحیح بخاری: ۲۷۸۷

⑤ **حدود وتعزیرات:** حدود وتعزیرات کے بیان میں غامدی صاحب نے قتل خطا کے قانون کی وضاحت کرتے ہوئے امام زہری رحمہ اللہ کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان: ص۲۹۷، صحیح بخاری: ۱۴۹۹

⑥ **خورد ونوش:** اس باب میں غامدی صاحب نے مردار کی کھال وغیرہ سے نفع اٹھانے کو جائز قرار دیتے ہوئے امام زہری رحمہ اللہ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان: ص۳۲۰، صحیح مسلم: ۳۶۳

⑦ **رسوم وآداب:** دین اسلام میں رسوم وآداب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے غامدی صاحب نے امام زہری رحمہ اللہ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو، میزان: ص۳۲۵، صحیح مسلم: ۲۵۷

⑧ **قسم وکفارۂ قسم:** اس باب میں نذر کا کفارہ بیان کرتے ہوئے غامدی صاحب نے امام زہری رحمہ اللہ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان: ص۳۳۷، سنن ابوداؤد: ۳۲۹۰

پس ثابت ہوا کہ غامدی صاحب کے فکر کے ہر باب کی بنیاد امام زہری رحمہ اللہ کی روایات پر ہے جن کی روایات بقول غامدی صاحب کے مدلس اور مدرج ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔ اس اعتبار سے ہم غامدی صاحب سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ واضح کریں کہ ایسے 'مدلس' اور 'مدرج' راوی کی بیان کردہ روایات کی بنیاد پر قائم ان کے تصور دین کی اصل حقیقت کیا ہے؟

غامدی صاحب کے تحقیقی نتائج سے محسوس یہ ہوتا ہے کہ کسی حدیث کو قبول کرنے یا رد کرنے کی اصل بنیاد اُصول حدیث نہیں بلکہ ان کی انسانی فکر ہے۔ کہیں معاملہ ایسا تو نہیں ہے کہ جس حدیث سے انکے افکار ونظریات کی تائید ہوتی ہو وہ ان کے نزدیک صحیح ہے اور جو حدیث ان کے موقف کے خلاف ہو وہ مردود ہے؟ ہماری گزارش تو صرف اتنی ہے کہ اگر غامدی صاحب اپنے ہی وضع کردہ اصولوں کی پاسداری کرلیں تو شاید اہل سنت کی شاہراہ کے بہت قریب آجائیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ